

شیعیت پر اعتراض کیوں؟

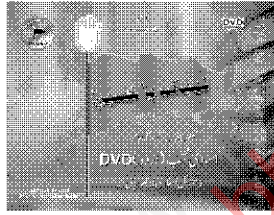
عشرہ مجرم الحرام پر مشتمل شاہکار کتاب

عراق

علامہ سید کلب جواد آف لکھنؤ

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶
۹۲۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی



لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl

sabeelesakina@gmail.com

شیعیت پر اغتراض کیوں؟

عشرہ محرم الحرام پشتمل شاہکار کتاب
مجموعہ تقاریر

پیشہ اسلام علامہ سید کلب جواد اہل حق

مطب

مولانا کلیم عباس جیدی علوی

ناشر

جمعیت طلبہ جعفریہ پاکستان

جلد حق کی انوارِ خود

کتاب	:	شہیدِ حیات پر اغتراس کیوں؟
قاری	:	پروفیسر علامہ سید کلب جوادی مد
مرتبہ	:	مولانا کلیم عتیاس مدنی مدنی
پروف ریڈنگ	:	غلام حبیب
اشاعت	:	اپریل 2009ء
صفحات	:	160
قیمت	:	135 روپے

ناشر

جمعیت طلبہ جعفریہ پاکستان

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



ترتیب

7	مجلس اول	•
19	مجلس دوم	•
32	مجلس سوم	•
47	مجلس چهارم	•
62	مجلس پنجم	•
84	مجلس ششم	•
103	مجلس ہفتم	•
118	مجلس ہشتم	•
132	مجلس نہم	•
147	مجلس دہم	•



مجلس اول

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

- * عزاداری ہماری روح ہے
- * اعتراض نجدی حضرات کی طرف سے تمام اہل سنت پر ہوتے ہیں
- * زیارت قبور کو دعاؤں میں وسیلہ بنانا کسی کو
- * صرف مذہب جعفری پر ہوتے ہیں اور اعتراض ہیں تقیہ
- * جہاد حملہ کر لینا نہیں ہے
- * دہشت گرد تنظیموں کو جہادی تنظیم کہا جا رہا ہے
- * جنگوں میں کامیابی کو اسلام فتح نہیں مانتا
- * آخر آپ ہار کیسے گئے؟
- * چھپ کر حملہ کرنا عصمت کے خلاف ہے

ذکر مصائب

- * جناب مسلم بن حقیل کی شہادت
- * کوفہ والوں کی بے وفائی
- * جناب مسلم کی مظلومیت ربلا والوں سے کچھ بڑی ہوئی تھی
- * میرا امیر ہائے حسین کے اور کوئی نہیں

مجلسِ اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (سورة الاحزاب
۴۵-۴۶)

عزاداری ہماری روح ہے، عزاداری ہماری جان ہے، عزاداری محلیہ اسلام ہے۔ ثابت شدہ بات ہے کہ جہاں جہاں عزاداری کسی نہ کسی شکل و صورت میں باقی رہی، وہاں اسلام بھر پلٹ آیا۔ وہاں اسلام ختم نہیں ہو پایا۔ اس کی بہترین مثال روس ہے کہ جہاں کوئی، کسی قسم کی کوئی بھی مذہبی بات کرنا وہاں پر سخت منع تھی۔ مسجدیں بند کر دی گئی تھیں، کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا تھا، کوئی اور عبادت نہیں انجام دے سکتا تھا مگر عزاء امام حسینؑ کسی نہ کسی صورت میں باقی رہی۔ جب عزاداری باقی رہی اور ادھر حکومت ختم ہوئی تو اسلام پھر اپنے مقام پر پلٹ آیا۔

اور وہ بھی مثال موجود ہے کہ جہاں عزاداری بند کر دی گئی تھی وہاں پھر عزاداری چلی نہیں، اور اس کی مثال یہ ہے کہ اکہین ہے کہ جہاں چھ سو برس تک



مسلمانوں کی حکومت رہی مگر وہ مسلمان ہمارے والے مسلمان تھے۔ لہذا کیوں کہ وہاں عزاداری نہیں ہو سکتی تھی لہذا وہاں اسلامی حکومت ختم ہوئی تو آج اسلام واپس پلٹ نہیں سکا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ”مطلوبہ اسلام ہے عزاداری“۔

یہ وہ قلم ہے کہ جہاں پر اسلام محفوظ رہتا ہے۔ اگر کر بلا کا واقعہ نہ ہوا ہوتا تو پھر مظلوموں کو زبان کرنے کی جرأت نہ ہوتی..... (صلوٰۃ)

چکے سال جو میں نے موضوع لیا تھا، اسی کا تسلسل ہے۔ وہ موضوع تھا کہ شریعت پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں۔

مکلی بات تو آپ یہ کہتے کہ اعتراضات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ اعتراضات وہ ہیں جو دشمنان اسلام کی طرف سے اسلام پر ہوتے ہیں۔ کُل اسلام پر، پورے اسلام پر، خلافتوار کے زور سے کچھ اسلام پر، بدو قلم ہے وغیرہ۔

اور ایک اعتراض ہے کہ جو وہابی حضرات کی طرف سے تمام اہل سنت پر ہوتے ہیں۔ اس میں شیعہ بھی شامل ہیں۔ وہ اعتراض ہے زیارت قبور کو دعاؤں میں دھیلہ پانا کسی کی اس سے فضاء طلب کرنا، زیارت کے لیے جانا، اس طرح سے حیاتِ نبی، آج ہمارے نبی زعمہ ہیں یا نہیں؟ اور کچھ اعتراض وہ ہیں، مخصوص شیعوں پر ہوتے ہیں۔ صرف مذہبِ جعفری پر ہوتے ہیں اور وہ اعتراض ہیں تقیہ۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ تقیہ تو جھوٹ ہے۔ لہذا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ تقیہ تو منافقت ہے کہ دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ ہے لہذا یہ منافقت کے قائل ہیں۔ جھوٹ بولنے کے قائل ہیں اور دوسرا بداء کا مسئلہ ہے، حجۃ کا مسئلہ۔

آیت اللہ سیستانی کے ہاں ایک فاؤنڈیشن ہے، ایک پوری کشتی بٹائی ہے اور

اس میں وہ ساری کتابیں جمع ہو رہی ہیں جو شیعیت کے خلاف لکھی گئی ہیں۔ شیعیت کے خلاف، ہمارے مسلک کے خلاف، اب تک پانچ ہزار کتابیں جمع ہو چکی ہیں اور سب سے پرانی کتاب تیسری صدی میں لکھی گئی، اصفہانیہ کے نام سے۔

اور شیعہ مسلک پر کل اعتراضات کی تعداد ہے سات ہزار، جو پانچ سو ہزاروں کے ذیل میں ہیں۔ اگر سات ہزار اعتراضات کو جمع کیا جائے تو دس جلدیں بن جائیں گی۔

اس سے آپ اندازہ کریں کہ محدثین سے کام ہو رہا ہے اس مسلک کے خلاف، اور ان میں سے کوئی اعتراض ایسا نہیں ہے کہ جن کا شافی جواب موجود نہ ہو۔ ہر اعتراض کی رد موجود ہے، ہر اعتراض خلافِ حق ہے۔ لیکن جو خاص خاص اعتراض ہیں ان کا ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

ایک اعتراض جو آج چاروں طرف پھیلا ہوا ہے کہ اسلام میں جہاد ہے، مارنا ہے، گروں کاٹ دینا ہے۔ رسولِ خدا کے ایک ہاتھ میں تلووار رہتی تھی اور ایک ہاتھ میں قرآن۔ اور ان کا کہنا یہ تھا کہ یا تو قرآن کو مان لو، مسلمان ہو جاؤ ورنہ اسی تلووار سے تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ آج بھی آپ انٹرنیٹ پر جائیے، اخبارات میں یہی باتیں لکھی جاتی ہیں۔

اور دہشت گرد تنظیموں کو جہادی تنظیم کہا جا رہا ہے۔ لیڈروں کی طرف سے بھی، میڈیا کی طرف سے بھی ورنہ جہاد کچھ اور ہے اور دہشت گردی کچھ اور ہے۔ جہاد اور دہشت گردی میں کوئی ربط نہیں ہے۔ جہاد مظلوموں کی طرف سے جہاد کا نام ہے..... (صلوٰۃ)

جہاد حملہ کر لینا نہیں ہے، کسی ملک پر قبضہ کر لینا نہیں ہے، ظلم و ستم کر لینا نہیں

ہے۔ پورے قرآن مجید میں آپ دیکھ ڈال لے، پورے قرآن میں مسلمانوں کو کہیں پر یہ تعلیم نہیں دی گئی ہے کہ کسی پر حملہ کر دو۔

”قال“ کا لفظ ہے، دو لفظ آئے ہیں: ایک قال ہے، ایک جہاد ہے۔ قال یعنی تلواریں سے غارت، اسلحہ اٹھانا، جنگ کرنا۔ تو قرآن میں جہاں جہاں قال کا لفظ آیا تو کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ حملہ کرو، مار ڈالو کسی کو، ختم کر دو۔ پورے قرآن میں جہاں قال کا لفظ آیا ہے، وہاں پر آپ کو یہ چلے ملیں گے کہ: ”اگر تمہارے اوپر کوئی حملہ ہو، تو اپنا دفاع کرو۔“

یعنی تم خود کسی پر حملہ نہ کرو، لیکن اگر تم پر حملہ ہو جائے تو پھر میدان سے ایک قدم پیچھے نہ اٹھانا، تو یہ دفاع کرنا اپنا، انسان کا بنیادی حق ہے۔ تو اسی بنیادی حق کو اسلام بتا رہا ہے کہ تم اپنا دفاع کرنا، حملہ نہ کرنا۔ یہ ہے اسلام۔

اگر حملہ کرنے والے صلح کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا دیں تو فوراً صلح قبول کر لینا، یہ ہے اسلام، یہ ہے دین۔

ثبوت کے طور پر ایک آیت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ اتنی بڑی بڑی جنگیں ہوئیں مگر جبکہ جنگ برائے حفظ ہے۔ جنگ بدربک ہوئی تھی؟ جب مکہ سے نکل کر آیا تھا مدینہ پہ حملہ ہوا تھا، حب مسلمانوں نے اپنا دفاع کیا۔

اور مسلمان بھی تین سو خیرہ۔ چند کے پاس تلواریں تھیں، چورہ میں لوگ ہوں گے جن کے پاس تلواریں تھیں۔ چند کے پاس نیزے تھے۔ کچھ لوگ تھے کہ جن کے پاس سواریاں تھیں، کچھ لاشیاں لیے ہوئے اور کچھ کھجور کی کھڑیاں لیے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک دم سے حملہ ہو جائے تو آپ نے دیکھا کہ جس کو جو مادہ لے کر گھر سے نکل آیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ کی کوئی قیاری نہیں تھی۔ اگر اسلام میں حملہ یا دوسرے ملک پر قبضہ کرنا ہوتا، کچھ تو اسلحہ پہلے سے ہوتا، کچھ تو جنگ کی تیاریاں ہوتیں۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ چھ کے پاس تو گھڑیاں تھیں، چھ کے پاس نیزے تھے۔ اور جو مقابلے میں تھے وہ پوری طرح اسلحے سے ڈوبے ہوئے تھے اور اس کے باوجود اس لشکر سے کمزور سے لشکر کو فتح ہوئی اور کہ سے جو لشکر آیا تھا اس کو شکست ہوئی۔

قرآن نے رسول کو سند نہیں دی کہ ہم نے آپ کو فتح دی۔ اتنی بڑی بڑی جنگیں اسلام نے فتح کیں مگر کہیں پر بھی رسول کو سند نہیں ملی کہ رسول ہم نے آپ کو فتح دی۔

یعنی جنگوں میں کامیابی کو اسلام فتح نہیں مانتا۔ فتح کی سند کب ملی؟ جب صلح حدیبیہ میں صلح کے کاغذ پر دھڑکا ہوئے، فوراً قرآن کی آیت اتری:

إِنَّا قَدْ خَلَلْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا (سورہ فتح، آیت ۱)

”اے رسول! ہم نے آپ کو کھلی ہوئی کامیابی دے دی، کھلی ہوئی فتح دے دی۔“

یعنی اسلام جنگوں کو فتح کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ دنیا میں امن و صلح قائم کرنے آیا ہے۔ حملہ ہو تو تحفظ کرو، ورنہ اسلام میں خود حملہ نہیں ہے۔

قرآن مجید کہہ رہا ہے اور روایات بھی کہہ رہی ہیں کہ بدر وہ ہے کہ جس میں ملائکہ نازل ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی مدد کے لیے ملائکہ اترے تھے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ جب حزب اللہ کے اوپر اسرائیلی لشکر نے حملہ کیا تو ۳۰، ۳۵ ہزار کا اسرائیلی لشکر تھا، اور خود امریکن رپورٹ کے مطابق حزب اللہ کے جو لوگ

ہیں ان کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں۔ جن کے پاس معمولی سے اسلحے ہیں، لیکن پھر بھی ۳۵ دن تک جنگ جاری رہی، اور آخر میں اسرائیل کو شکست ہوئی۔

تو اب امریکہ کے ایک جھیل سی این این پر ایک اسرائیلی سپاہی نے انٹرویو دیا تو اس سے پوچھا گیا کہ جب حزب اللہ کی تعداد اتنی کم تھی اور آپ کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی، آخر آپ ہار کیسے گئے؟

اس سپاہی نے کہا کہ ہمارے جاسوسوں نے ہمیں اطلاع دے دی کہ بہت مختصر تعداد ہے حزب اللہ کی، لہذا ایک حملہ میں سب صاف ہو جائیں گے مگر جب ہم نے حملہ کیا، تو جلد مر دیکھتے تھے تو اللہ کے سپاہی ہمیں نظر آتے تھے۔ بس دیکھئے! بدر کی تاریخ کس طرح دہرائی جا رہی ہے۔

جب بھی نئے کالنگر، شکست کھا کر پلٹا اور کے پہنچا۔ تو وہ سوال اس سے بھی ہوا جو اسرائیلی سپاہی سے ہو رہا تھا۔ ارے تم شکست کھا گئے؟ کہا: تم نے ہم کو غلط بتایا تھا، تم نے ہم کو بتایا کہ بہت کمزور ہے مسلمان۔

”مسلمان لشکر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے بس ایک علیؑ سے ہوشیار رہنا۔“

تم نے کہا تھا کہ ایک علیؑ سے ہوشیار رہنا مگر جب ہم میدان میں پہنچے تو ہمیں چاروں طرف علیؑ دکھائی دے رہے تھے..... (صلوٰۃ) جہاں رخ کرتے وہاں علیؑ نظر آتے تھے۔

قرآن نے کہا: فرشتے اترے مدد کے لیے، تاریخ نے کہا: ملائکہ مدد کے لیے اترے۔ ملائکہ کی کوئی اپنی شکل و صورت نہیں ہے انسانی۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب مدد کے لیے اترے تھے تو چھپ کر حملہ کیا تھا یا سامنے حملہ کیا تھا؟

اگر کوئی کہے کہ مجھے ہوئے تھے جب حملہ کیا تھا تو میں عرض کروں گا کہ فرشتے مصوم ہوتے ہیں اور چھپ کر حملہ کرنا صمت کے خلاف ہے۔ لہذا چھپ کر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ ظاہر ہوتے تھے، سامنے آتے تھے۔

میں پوچھتا ہوں کہ جب سامنے آتے تھے تو ان کی اپنی تو کوئی انسانی شکل نہیں، جب سامنے آتے تھے تو پھر کس انسانی شکل میں آتے تھے؟ کس صورت میں آتے تھے؟ تو تاریخ میں تو وجود نہیں ہے وضاحت سے، لیکن اتنے جملے تاریخ میں موجود ہیں کہ میدانِ بدر میں لوگ گھبرا گھبرا کر رسولؐ کے پاس آ رہے تھے۔ اے اللہ کے رسولؐ! آپ مدینے سے کتنے عجلے لے کر چلے ہیں۔

ہمیں تو ہر طرف سوائے علیؑ کے کوئی نظری نہیں آتا۔ تو بس سمجھ میں بھی آتا ہے کہ جب ملک ملک سے اترنے لگے اور انہیں انسانی صورت اختیار کرنا پڑی تو کسی کو علیؑ سے پہلی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی..... (صلوٰۃ)

تو میدانِ بدر میں فرشتے مدد کے لیے اترے مگر احد میں نہیں اترے۔ احد میں اکیلے علیؑ ہیں جو میدان کو فتح کر رہے ہیں۔ تو میں کہوں گا کہ مولا علیؑ نے شاید زبان سے شکایت نہ کی ہوگی لیکن شاید رسولؐ اللہؐ چہرے سے سمجھ گئے ہوں گے کہ میں موجود تھا تو ان فرشتوں کی کیا ضرورت ہوگی، لہذا میدانِ احد میں اکیلے علیؑ ہیں جو پورے لشکر کا مقابلہ کر رہے ہیں..... (صلوٰۃ)

یہ وہ ہیں جو ہزاروں پر بھاری اور اس کا ثبوت کوفہ کا میدان ہے۔

ذکرِ مصائب

کوفہ والوں کی بے وفائی آج ضربِ اہل بن یحییٰ ہے، اٹھارہ ہزار کوئیوں

نے بیعت کی، مدد کا وعدہ کیا، جان دینے کا وعدہ کیا لیکن جب ابن زیاد گورنر بن کر آیا تو اس نے ایسا ڈرلیا، ایسا جھکا یا کہ سارے کوئی خوف زدہ ہو گئے۔

اور اب تاریخ کہتی ہے کہ ہمارے آقا مسلمؐ نے جب مسجد کوفہ میں نماز عشاء شروع کی ہے تو اٹھارہ ہزار کی صفیں تھیں اور جب نماز عشاء پڑھ کر پلٹ کر دیکھا ہے تو مسجد خالی تھی۔

سب ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ اب آقا کوفہ میں تھا ہیں، مسافر ہیں، غریب الوطن ہیں، راستہ نہیں معلوم، جائیں تو کدھر جائیں، کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے، سارے دروازے بند ہیں، جس دروازے پر جاتے ہیں، کوئی آواز ہی نہیں دیتا۔

رات کا کافی حصہ گزر گیا اسی عالم میں کہ کوفہ کی گلیوں میں گھوم رہے ہیں، تھک گئے، پیاس کی شدت ہوئی۔ ایک دروازے کی چوکھٹ پر تھک کر بیٹھ گئے۔

روایت کہتی ہے کہ یہ ایک مومنہ کا گھر تھا جس کا نام طوہ ہے۔ اس نے دروازے پر جناب مسلمؐ کو دیکھا اور کہا: اے مسافر! تو یہاں تک کیسے آ گیا؟ جناب مسلمؐ نے کہا: اے مومنہ! اگر تھوڑا سا پانی پلا دے، مجھے بڑی پیاس لگی ہے۔ مومنہ نے پانی پیش کیا۔

کہا: اے مسافر جلدی سے اپنے گھر چلا جا، ابن زیاد کے سپاہی گلی کوچوں میں پھر رہے ہیں اگر تجھے دیکھ لیا تو گرفتار کر لیں گے۔

دو تین مرتبہ مومنہ نے کہا مگر جناب مسلمؐ نہ اٹھے اور کہا: اے مومنہ! تو کہہ رہی ہے کہ اپنے گھر چلا جا جس کا کوئی گھر نہ ہو وہ کہاں جائے؟

مومنہ نے کہا: آخر آپ ہیں کون؟

فرمایا: میں ہوں مسلمؐ ابن عقیل۔

مومنہ نے کہا: آقا پہلے کیوں نہیں فرمایا۔ جی کھٹائی ہو گئی مجھ سے، آئیے آئیے اندر حشریف لے آئیے ایک حجرہ عالی کروادیا۔ آقا کا معنی بچایا، نمازیں ادا کرنا شروع کیں۔ اس مومنہ کا ایک بیٹا تھا کہ خود بارہا ابن زیاد میں ملازم تھا۔ اس نے جب دیکھا تو خاموشی سے گھر سے نکلا۔ ابن زیاد تک پہنچا، اے ابن

زیادا

جس مسلم کو تم پورے کوفہ میں تلاش کر رہے ہو وہ میرے گھر ہے۔
ادھر جناب مسلم گھر میں نماز پڑھ رہے ہیں کہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں
جناب مسلم کے کانوں تک پہنچی۔ معنی چوڑا، نکو اور سنبھالی، باہر نکلے۔ مومنہ نے کہا:
کیا بات ہے، یہ آپ نے کیوں نکو اور باہر نکال لی ہے؟
کہا: ابھی ابھی میرے کانوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آئی ہیں۔
لگتا ہے کہ ابن زیاد کو خبر ہو گئی ہے اور اس نے میری گرفتاری کے لیے لشکر بھیجا ہے۔
وہ مومنہ کہتی ہے: گھر کے اندر رہئے، آپ گھر کے اندر زیادہ محفوظ ہیں۔
جناب مسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، میں گھر کے اندر نہیں رہوں گا کہیں ایسا نہ
ہو کہ ابن زیاد کا کوئی سپاہی مجھے گرفتار کرنے کے لیے گھر کے اندر داخل ہو جائے اور
تیری بے پردگی نہ ہو جائے۔ مجھے کوہرا نہیں ہے کہ میری وجہ سے کسی مومنہ کی بے
پردگی ہو۔

اے آقا مسلم! آپ کو کوہرا نہیں کہ کسی مومنہ کی بے پردگی ہو، بچی کوفہ ہوگا
آپ کی بیش، مائیں، پھوسیمیاں رسیوں میں ہوں گی، سر پہ چادر نہ ہوگی، کبھی بازار
کوفہ ہوگا، کبھی دربار کوفہ ہوگا۔

جناب مسلم باہر نکلے، حملہ شروع ہوا، پانچ سو کا دستہ شکست کھا گیا۔ سردار لشکر

نے ابن زیاد کو لکھا کہ اور لشکر بھیج دو۔ پانچ سو کا دستہ اور آگیا۔ اس کو بھی شکست، پھر ابن زیاد کو لکھ کر بھیجا کہ اور سپاہی بھیج دو۔

اس نے ہفتے سے کہا: ایک شخص کو گرفتار کرنا ہے اور ایک ہزار کا لشکر بھیجا جا چکا ہے اور تم اور سپاہی متکوار ہے ہو؟

مرزاہ لشکر نے جواب میں لکھا کہ تو نے کیا سمجھا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ بنی ہاشم کی تلوار ہے۔ اس کے سامنے یہ لشکر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور سپاہی بھیجو، پانچ سو کا دستہ اور بھیجا گیا مگر وہ بھی گرفتار نہیں کر سکے۔

علاء تحریر کرتے ہیں کہ جناب مسلم کی مظلومیت کربلا والوں سے کچھ بڑی ہوئی تھی۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ کربلا میں جب بھی کوئی میدان جنگ میں نکلا سامنے حملے ہوئے، پشت سے حملے ہوئے، پہاڑوں سے حملے ہوئے، چاروں طرف سے حملے ہوئے۔

جناب مسلم پر چاروں طرف سے تو حملے ہو رہے تھے مگر کوشوں پر سے آگ برساتی جا رہی تھی۔ اس لحاظ سے جناب مسلم کی مظلومیت بڑی ہوئی تھی۔ ایک گڑھا کھودا جاتا ہے۔ آقا جنگ کرتے کرتے آگے بڑھتے ہیں۔ اسی میں پاؤں پڑا، گڑھے کے اندر گر گئے اور حیدروں، تلواروں کی بارش کر دی گئی۔ آقا شدید زخمی ہو گئے۔ گرفتار ہو گئے۔ ابن زیاد کے دربار میں پہنچے۔ منہ پھیر لیا۔

کسی نے کہا کہ اے مسلم! تو نے امیر کو سلام نہیں کیا؟

جناب مسلم نے جواب دیا کہ میرا امیر سوائے حسین کے اور کوئی نہیں۔

عباس کی شدت ہے، کہا: کوئی ہے جو مجھے پانی پلا دے؟ پہلے انکار ہوا لیکن آخر میں کوئی پانی لے کر آیا۔ جناب نے پانی پینا چاہا کہ پانی میں خون شامل ہو جاتا

ہے، پھینک دیجئے ہیں۔ وہ دوبارہ پانی دیتا ہے، پھر خون شامل ہو جاتا ہے، پانی پھینکا اور فرمایا: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**!

شاہد پھری قسمت میں آخری وقت میں پانی نہیں ہے۔

بس عزادارو!

جہاں پر امام حسینؑ منزلِ زمانہ پر تشریف فرما ہیں، جنابِ عباسؑ پہلو میں ہیں، امامؑ کے چہرے کا رنگ خضیر ہو گیا، جنابِ عباسؑ نے گھبرا کر کہا:

اے آقا! آپؑ کے چہرے کی رنگت کیوں تبدیل ہو رہی ہے؟

کہا: میں لگاؤ امامت سے کوفہ کا منظر دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت مسلم کو گرفتار کر کے، دارالامارہ کی سمت پر لایا گیا ہے۔ قاتل تلوار لیے سر پر کھڑا ہے۔ تلوار چلنے والی ہے۔

یہ سنہ تھا کہ روایت کہتی ہے کہ جنابِ عباسؑ نے اپنی حبا کے دامن کو چیرا اور قدموں پہ سر رکھ کر کہا:

اے آقا! جس لگاؤ امامت سے آپؑ کوفہ کا منظر دیکھ رہے ہیں اسی قوتِ امامت سے مجھے کوفہ پہنچا دیجیے۔ وعدہ کرتا ہوں کہ مسلم کو بھی پچالوں گا اور کوفہ کے محل پر آقاؑ کا پرچم نصب کرا لوں گا۔

اے آقا! مجھے اجازت دیجیے، میں کوفہ جانا چاہتا ہوں۔

کہا: عباسؑ! ذرا منظر تو دیکھو، سامنے سے پردے ہٹے، جنابِ عباسؑ نے منظر دیکھا کہ قاتل کھڑا ہوا ہے مگر پاس میں رسولؐ بھی موجود ہیں، پہلو میں جنابِ عقیلؑ بھی موجود ہیں، جنابِ عقیلؑ رسولؐ سے کہہ رہے ہیں:

اے رسول اللہ! کیا آپؐ میرے بیٹے سے راضی ہیں!!



مجلس دوم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

- *..... یہ مجلسیں جو ہیں، یہ ظلم کے خلاف احتجاج ہیں
- *..... کوئی بھی اعتراض ایسا نہیں ہے کہ جس کا جواب نہ ہو
- *..... جو عقیدے ہمارے ہیں جس سے ہم انکار نہیں کرتے ان کو غلط انداز سے پیش کیا جاتا ہے
- *..... جناب موسیٰ نے کہا تھا: پالنے والے، اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے
- *..... مدد کر دینا دوستی کا ثبوت نہیں بن سکتا
- *..... سارے عقیدے رد ہو جائیں گے صرف اس قرآنی دلیل کے درپے سے
- *..... جو چیز موجود نہیں ہوتی ہے وہ بنائی جاتی ہے جو چیز پہلے سے موجود ہوتی ہے وہ بھیجی جاتی ہے

ذکر مصائب

- *..... مظلومیت کا قافلہ کربلا میں پہنچا
- *..... ابھی حسینؑ کا لاشہ پامال ہونا ہے
- *..... اس کو پامال نہ کرو یہ رسولؐ کا نواسہ ہے

مجلس دوم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَإِذْ آتَيْنَا آلِي اللَّهِ بِآذِنِهِ وَسَدَرْنَا مَرْثِيًّا (سورة الاحزاب)

(۳۶-۳۵)

موضوع انتخابی اہم ہے، آیت کریمہ جس کا انتخاب کیا ہے اس میں رسول
کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کی شان، ان کی عظمت کا اعلان ہو رہا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا

”اے نبی! ہم نے تمہیں گواہ بنا کر بھیجا۔“

وَمُبَشِّرًا بَشَارَاتٍ دِينِ وَالْآلَمَاتِ كَرِيمًا۔

وَنَذِيرًا عَذَابِ آلِہِی سَ دُرَانِی وَالْآلَمَاتِ كَرِيمًا۔

وَإِذْ آتَيْنَا آلِي اللَّهِ بِآذِنِهِ۔

آپ اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں مگر اللہ کے اذن سے، اللہ کی

اجازت سے اور آپ کو سراہ کر خیر بتایا، آپ کو روشن چراغ بتایا۔

یہ کر بلا جو ہے، یہ مجلسیں جو ہیں، یہ علم کے خلاف احتجاج ہیں، اور کہیں بھی

دنیا میں ظلم ہو رہا ہو، امام حسینؑ کے سامنے والوں کا فریضہ ہے کہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کریں۔

چونکہ امام حسینؑ نے جو قربانی دی تھی وہ ظلم کے خلاف، ستم کے خلاف اور جو غیر انسانی حرکتیں ہو رہی تھیں ان کے خلاف تھی آج بھی آپ دیکھیں کہ بے اعتنا ظلم، بے اعتنا ستم ہو رہا ہے۔

میں نے جو کل آپ کے سامنے بیان کیا، بہت اہم موضوع ہے۔ کیوں کہ میں نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ آیت اللہ سیستانی نے ایک مؤسسہ بنایا ہے اور اس میں وہ کتابیں جمع ہو رہی ہیں کہ جو شیعیت کے خلاف لکھی گئی ہیں، اور ہمارے مذہب، ہمارے فرقہ، ہمارے عقائد کے خلاف جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور اب تک جو جمع کی جا چکی ہیں وہ پانچ ہزار ہیں اور جو فہرست بندی کی گئی ہے اعتراضات کی، ان اعتراضات کی تعداد ہے سات ہزار۔

کوئی بھی اعتراض ایسا نہیں ہے کہ جس کا جواب نہ ہو۔

جب میں کافی عرصہ پہلے پاکستان کی سر زمین پر گیا تو جگہ جگہ دیواروں پر یہ نعرے لکھے گئے تھے کہ شیعہ کافر، شیعہ کافر، شیعہ کافر۔ پورے پاکستان میں نعرے لکھے گئے اور سب نوجوانوں کو بہکایا جاتا ہے کہ یہ تو وہ عقیدہ رکھتے ہیں یعنی یہ رسول اللہ کی رسالت کے قائل نہیں ہیں، یہ تو حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں، یہ تو طول کے قائل ہیں، یہ تمام عقیدے منسوب کر دیے گئے۔

اور جو عقیدے ہمارے ہیں، جس سے ہم انکار نہیں کرتے ان کو غلط انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔ دو چیزیں ہیں: ایک تو یہ کہ جو عقیدے نہیں ہیں وہ جوڑ دیئے گئے کہ حضرت علیؑ کو خدا مانتے ہیں۔

پچھلے سال میں نے کچھ باتوں کے جوابات دیئے تھے مسلمانوں میں تفرقہ پھیلایا جاتا ہے۔ عرب میں مشہور ہے شیعوں کے لیے، یہ بات کہی جاتی ہے کہ جبرئیل امین آئے تھے حضرت علیؑ کے پاس اور رسالت کا عہدہ ان کو لئے والا تھا۔ جبرئیلؑ سے رسول اللہؐ کے پاس بھی گئے اور ان کو عہدہ رسالت دیا تھا۔ ان کو عہدہ نبوت دیا تھا، ورنہ اصل حق دار حضرت علیؑ تھے۔ یہ عقیدہ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ بات ہمارے لیے کہی جاتی ہے۔

عرب میں یہ بات مشہور کی گئی ہے، علماء کے بعد تین بار جب یہ ہاتھ کانوں تک بلند کرتے ہیں تو کہتے ہیں: یعنی جبرئیلؑ نے خیانت کی۔

کل میں نے کوشش کی تھی کہ دشمنان اسلام کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے جوابات دینے کی کوشش کی تھی۔

ایک واقعہ ہے کہ جب عمرو ابن عہدود، دنیا کا اس زمانے میں بڑا پہلوان تھا وہ مولا علیؑ کے مقابلے میں آتا ہے تو مولا علیؑ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو جب بھی کسی کے مقابلے میں آتا ہے تو اگر وہ تین ہاتھیں کہے تو ان میں کوئی ایک ہاتھ تو مان لیتا ہے؟

اس نے کہا: ہاں گج سنا ہے۔

فرمایا: پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان ہو جا۔

اس نے کہا: نہیں۔

تو پھر یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے، ورنہ مار دیا جائے گا۔

اگر ایسا ہوتا اسلام میں تو جیسے ہی اس نے کہا تھا کہ میں مسلمان نہیں ہوتا تو

مولا کو چاہیے تھا کہ اس کو قتل کر دیتے، اسی وقت اس کا سر قلم کر دیتا چاہیے تھا۔ آگے دوسرے سوال کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مولاملیٰ نے دوسرا سوال کیا: اگر مسلمان نہیں ہو سکتے تو واپس پلٹ جاؤ۔ کیونکہ ہماری جگہ صرف اس سے ہے جو ہمارے سامنے گوارے کر آ جائے، جو حملہ کرے۔

واپس چلے جاؤ تمہارا حق حیات محفوظ ہے۔

ارے جسے اللہ نے زندہ رہنے کا حق ادا کر دیا ہے تو کسی مسلمان کو کیا ہے کہ اس کا حق چھین لے۔

مجھے اٹکا بتائیے کہ اللہ کو کافروں کا وجود برداشت نہ ہوتا تو کیا کوئی رہ جاتا؟ سب کے سب ختم ہو جاتے، اللہ کے ایک اشارے پر۔

ایک واقعہ ہے کہ جب جنابِ موسیٰ نے کہا تھا: پالے والے، اس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے، یہ اپنے کو خدا کہہ رہا ہے فرعون، یہ سرکش ہو رہا ہے، اپنی نعمتیں اس سے سلب فرمائے۔ پانی کو حکم دے دے کہ پیاس نہ بجھائے، غذا کو حکم دے کہ جسم کا جز نہ بنے، ہواؤں کو حکم دے کہ سانس بن کر داخل نہ ہو۔ ابھی خدائی کا بھرم کھل جائے گا۔

قدرت کی طرف سے جواب آیا تھا کہ اے موسیٰ! اگر تو اپنی بندگی بھول گیا ہے تو کیا میں اپنی خدائی بھول جاؤں۔ رب کی حیثیت سے ساری نعمتیں اسے ملتی رہیں گی..... (صلوٰۃ)

اس کا مطلب ہے، دشمن خدا ہے، خدا کے مقابلہ پر اپنے کو خدا کہہ رہا ہے، یعنی اللہ کی جگہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے کیونکہ خدائی کا دعویٰ ہے لیکن اس

کے باوجود بھی نعمتیں سلب نہیں ہوئیں تو یہ نعمت میں کبھی کوئی بات غلط نہ کی جائے کہ اگر کسی کی مدد ہو رہی ہو تو یہ سمجھو کہ بڑی دوستی تھی۔

مدد کر دینا دوستی کا ثبوت نہیں بن سکتا۔ ورنہ ابھی اللہ کی طرف سے ساری نعمتیں مل رہی ہیں فرعون کو، تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ اور فرعون میں بڑی دوستی تھی، مگر وہ تھا ربوبیت کا تقاضا، کہ چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو، چاہے جگہ پر قبضہ کرنے کی کوشش ہی کیوں نہ ہو، مگر میری طرف سے نعمتیں ملتی رہیں گی۔

تو وہ ربوبیت کا تقاضا تھا، اور یہ امامت کے تقاضے تھے تو تین جز ہیں جوابات کے، ایک جز تو وہ کہ جو دشمنان اسلام کہتے ہیں، ایک جز وہ کہ جو خود مسلمانوں کی طرف دہائیوں کی طرف سے، اور ایک جز یہ جو خاص شیعوں پہ اعتراض ہوتا ہے۔

تو اب وہ جز اسی آیت کے ذیل میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک عجیب و غریب عقیدہ یہ ہے کہ جو شانِ رسالت کے خلاف ہے، اور وہ عقیدہ یہ ہے کہ رسول کو معاذ اللہ ظلم ہی فہم تھا کہ وہ رسول بننے والے ہیں اور ایک دم سے جبرئیل نازل ہوئے، تو جبرئیل کو دیکھ کر اللہ کے رسول گھبرا گئے تھے۔ خوف زدہ ہو گئے تھے اور اس کے بعد جبرئیل نے کہا: اقواء پڑھئے۔

رسول نے کہا کہ مجھے تو پڑھنا ہی نہیں آتا، میں پڑھوں تو کیسے پڑھوں؟ تو جبرئیل نے دہایا اُن کو اور اس کے بعد کہا: پڑھئے۔ پھر رسول نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا، تیری مرتبہ پھر دہایا اور اس کے بعد کہا: پڑھئے:

اقْوَا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ

عَلَقٍ ۝ (سورۃ طلق، آیت: ۱-۲)

اس کے بعد یہ حدیث ہے کہ رسولؐ کے سینے کا آپریشن ہوا، جرحیلؑ نے دل نکالا اور اس کو دھویا، صاف کیا، اس کے بعد دوبارہ پھر وہ دل اندر رکھا، پھر ٹانگے لگائے، اس کے بعد مجددِ نبوت ملا۔

کیسے یہ حدیثیں آئیں جو شانِ رسالتؐ کے خلاف ہیں، کیسے قبول کر لی گئیں یہ حدیثیں، جو شانِ رسالتؐ کے خلاف ہیں۔

چونکہ ہمارا نئی دہ ہے جو سردارِ انبیاءؑ ہے، ہمارا نئی دہ ہے جو سردارِ مرسلینؑ ہے۔ جب ان کی محبت کا اقرار کیا ہے انبیاءؑ نے تو ان کو نبوت ملی۔ جب ان کی رسالت کا اقرار کیا ہے تو رسالت ملی۔ جب ان کی محبت کا اقرار کیا ہے تو خلافتِ نبوت ملی۔ کسی نیا کے لیے ہمیں نہیں ملا کہ نبوت ملے سے پہلے ان کے دل کا آپریشن کیا گیا ہو، اور دل کو دھویا گیا، یعنی اس سے پہلے جتنے بھی انبیاءؑ ہیں، ان کا بغیر دل کے پاک کیسے ہوئے نبوت ملی گئی اور جو خاتمِ انبیاءؑ ہے ان کو نبوت نہیں ملی جب تک دل کو دھویا نہیں گیا۔ جب تک کہ اس کی خرابیاں نہیں دور کی گئیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے پہلے جو انبیاءؑ تھے ان کا دل پہلے سے پاک و صاف تھا، لہذا صفائی کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن معاذ اللہ چونکہ اس دل میں پہلے سے کد کدیاں موجود تھیں، خرابیاں موجود تھیں، لہذا اللہ کو ضرورت پڑی کہ اس دل کو پہلے صاف کرے اور پھر مجددِ نبوت دے۔

تو مجھے یہ بتاؤ جتنے بھی نیا ہیں وہ سب اس نئی کے امتی ہیں۔ تو امتی ہیں ان کا درجہ بڑھ گیا اور جو سردار ہے اس کا درجہ گھٹ گیا۔ تو کیا کسی بچے رسولؐ کو چاہنے والے کو یہ بات قبول ہوگی؟

حقیقت یہ ہے اسی لیے میں نے اس آیت کو عنوان بنایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ قَانِئًا وَ مُبَشِّرًا وَ نَذِيرًا
وَ كَذَٰلِكَ إِلَى اللَّهِ نَاوِلُهُ

قرآن اعلان کر رہا ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ کو کھجور
سارے عقیدے پروردگار کے صرف اس قرآنی دلیل کے ذریعے سے۔
اگر رسول اللہ کو ماننا ہے تو ان حدیثوں کے ذریعے سے دے دے۔
یا قرآن حامت کے ذریعے سے ملے یا قرآن ناطق کے ذریعے سے
ملے۔ جب مرتبہ رسالت تک معنوں میں سمجھ میں آئے گا۔

پورے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی ہمارے نبی کے لیے جو لفظ آیا ہے یا
لفظ بَعَثَ آیا ہے یا لفظ أَرْسَلَ آیا ہے یا لفظ جَاءَ آیا ہے دوسرے انبیاء کے لیے
ہمیں لفظ جَعَلَ قرآن میں ملے گا۔ مگر ہمارے اس آخری نبی کے لیے پورے
قرآن مجید میں کہیں لفظ جَعَلَ نہیں ہے یا لفظ بَعَثَ ہے یا لفظ أَرْسَلَ ہے یا لفظ
جَاءَ ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ (سورہ محمد: ۲)

لفظ بَعَثَ استعمال ہو رہا ہے یا لفظ جَاءَ قرآن میں آیا ہے۔

جناب آدم کے لیے: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (سورہ بقرہ: ۳۰)
”میں تمہیں زمین پر خلیفہ بنا رہا ہوں۔“

جناب ابراہیم کے لیے: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (سورہ بقرہ: ۱۲۴)

جناب داؤد کے لیے: إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (سورہ ص: ۲۶)

”اے داؤد! ہم نے تمہیں خلیفہ بنانا یا“

جب جناب عیسیٰ کی پیدائش ہوئی ہے اور یہودیوں نے اعتراض کیا جناب

مریم پہ کہ یہ بچہ تمہاری گود میں کیسے آ گیا؟

جناب مریم نے اشارہ کیا اس بچے سے پوچھ لو۔

جناب عیسیٰ نے جواب دیا: اِنِّیْ هٰذَا اَللّٰهُ اَتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا

(سورہ مریم: ۳۰)

اس سے بہتر ثبوت کیوں ہوں گے قرآنی۔

جناب عیسیٰ کہہ رہے ہیں کہ مجھے نئی نے بنایا۔ جَعَلَ کالفظ استعمال ہو رہا

ہے۔ لیکن ہمارے اس آخری رسولؐ کے لیے، پوری قرآن مجید میں کہیں لفظ جَعَلَ نہیں استعمال کیا گیا۔

یا لفظ بَعَثَ ہے یا لفظ اَرْسَلَ ہے یا لفظ جَاءَ ہے۔

جَعَلَ کے معنی بنانا، اَرْسَلَ کے معنی بھیجا، بَعَثَ کے معنی بھیجا، جَاءَ کے

معنی کہیں سے آنا۔

جو چیز موجود نہیں ہوتی ہے وہ بنائی جاتی ہے۔ جو چیز پہلے سے موجود ہوتی

ہے وہ بھیجی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے سارے انبیاءؑ جب دنیا میں آئے تو

نبوت ملی ان کو، رسالت ملی ان کو، اسی لیے لفظ بَعَثَ ہے، لیکن ہمارے رسولؐ کے

لیے لفظ اَرْسَلَ ہے اور بَعَثَ ہے۔

یعنی کسی بارگاہ میں بحیثیت رسولؐ پہلے سے موجود تھے، جہاں سے بھیجے

جا رہے ہیں۔ بس اب یہ کہنا کہ نبوت چالیس برس کے بعد ملی، بلکہ جب سے ہیں

تب سے نئی ہیں تو وہ دوسرے انبیاءؑ ہیں جو پیدا ہو کر نئی بنے ہیں مگر یہ وہ ہیں جو نئی

بن کر پیدا ہوئے۔

اگر نئی کو سمجھنا ہے تو اس پیغام کے ذریعہ سے سمجھئے، جو وہ لے کر آیا ہے، یا

بکر کے کھڑوں کے ذریعہ سے کیجئے۔ جن میں ملاحیت نہ کسی چیز کے بتانے کی، اس سے پوچھی نہیں جاتی یہ بات۔ خدا ناک میں سو گئے کی ملاحیت ہے، کان میں سننے کی ملاحیت ہے، آنکھوں میں دیکھنے کی ملاحیت ہے، زبان میں بھگنے کی ملاحیت ہے اور ہاتھوں میں لمس کرنے کی ملاحیت ہے۔ یہ الگ الگ ملاحیتیں ہیں جو علی ہوئی ملاحیتیں ہیں، لہذا جس میں جو ملاحیت و استعداد ہے، اس سے سوال ہوتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کان کے اوپر میں اپنا رومال رکھوں اور کان سے پوچھوں کہ رنگ کیا ہے اس کا، تو کیا رومال بتا دے گا، کیونکہ اس میں یہ ملاحیت ہی نہیں ہے، اس میں استعداد ہی نہیں ہے کہ وہ بتا سکے۔

اسی طرح سے ناک کی ملاحیت ہے کہ وہ سو گئے، اب ناک پر چائے کی پیالی میں رکھ کر کہوں کہ مجھے بتاؤ کہ اس میں شکر ہے یا نہیں۔ تو ناک جواب نہیں دے سکتی کیونکہ اس میں یہ ملاحیت ہی نہیں ہے۔

اس کا اگر سوال کرنا ہے تو زبان سے سوال کرنا ہوگا کیونکہ زبان میں یہ ملاحیت ہے۔ کسی کو خوشبو یا بدبو، معلوم کرنا ہے تو ناک کے ذریعہ سے معلوم کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جو ملاحیت اللہ نے دی ہے اسی سے وہ سوال ہونا چاہیے۔ تو اگر رسولؐ کے ہارے میں پوچھنا ہے تو ان سے نہ پوچھو جو رسولؐ سے الگ ہیں، بلکہ سوال ان سے کرو، جو رسالت کا نوحہ ہیں کہ جن کے لیے رسولؐ نے سہ دے دی۔

عَلَيَّ وَنَبِيِّي وَآلِئِ وَنَبِيِّي، فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي
حُسَيْنٌ وَنَبِيُّي وَآلِئِ مِنْ حُسَيْنٍ، حَسَنٌ وَنَبِيُّي وَآلِئِ مِنْ

ارے جن کو منیہ کی سندل دینی ہے وہیں بتائیں گے کہ اس رسول کا مرتبہ کیا ہے..... (صلوٰۃ)

تو ہمارا جو عقیدہ ہے وہ یہ کہ کائنات سے پہلے بھی تھے۔ جب کائنات میں کچھ نہ تھا جب کسی چیز کا وجود نہ تھا، تب بھی تھے اور جب تک یہ کائنات رہے گی، وہ رہیں گے۔

ذکرِ مصائب

انہی نے اپنی قربانیاں پیش کیں، سب کچھ اپنا قربان کر دیا، مگر اسلام پر آج نہیں آنے دی۔ اپنا سب کچھ لٹا کر، دین اسلام کی حفاظت کی، اس کا بہترین نمونہ کر بلا ہے کہ جہاں آقا حسینؑ نے سب کچھ لٹا دیا۔

آج دو محرم ہے اور آج ہی یہ مظلومیت کا قافلہ کر بلا میں پہنچا۔ آقا کو نے کا رُخ کرنا چاہتے تھے لیکن درمیان میں ٹھہر کا لشکر حائل ہو گیا۔ جس وقت ٹھہر سے ملاقات ہوئی تو ایک ہزار کا لشکر تھا، مگر سب پیاسے تھے اور جب مولاؑ نے دیکھا کہ پیاسے ہیں تو ٹھہر نے کچھ کہنا چاہا۔

امامؑ نے فرمایا کہ بات بعد میں کرنا پہلے پانی پی لو۔

ادھر ایک ہزار کا دستہ تھا اور ادھر ۲۷ لوگ تھے۔ انہوں نے روکنے کی کوشش کی اور روکتے روکتے کر بلا آ گیا۔

گھوڑے کے قدم تھے۔ روایت میں ہے کہ سات گھوڑے تھدیل کیے امامؑ نے، مگر کوئی گھوڑا آگے نہیں بڑھا۔ امامؑ نے پوچھا کہ اس زمین کو کہتے کیا ہیں؟ اس زمین کا نام کیا ہے؟

عقلمند نام بتائے گئے، کسی نے کہا: بیٹھی ہے، کسی نے کہا: قاضیہ ہے، کسی نے کہا: حلیٰ فرات ہے۔ فرمایا: کوئی اور نام بھی ہے؟

ایک شخص آگے بڑھ کر کہتا ہے مولانا اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔

مولانا نے فوج پڑھا، ہاں یہ وہ زمین ہے کہ جہاں ہمارے خیمے نصب ہوں گے۔ یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے خون بہائے جائیں گے۔ یہی وہ زمین ہے جہاں ہمارے لاشے پامال ہوں گے۔ یہی وہ زمین ہے جہاں عیموں میں آگ لگا دی جائے گی اور ہمارے اہل حرم اسیر ہوں گے۔

کس کی ملکیت ہے یہ؟

کہا: بنی اسد مالک ہیں۔ کہا: ان کو بلا لاؤ۔ بنی اسد آتے ہیں۔ آقا! کیا بات ہے۔ فرمایا: ہم یہ زمین خریدنا چاہتے ہیں۔ زمین کی قیمت ادا کی اور کہا: اے بنی اسد! یہ زمین ہم تمہارے حوالے کرتے ہیں مگر کچھ شرطوں کے ساتھ۔

دیکھو! اس زمین پر ہمیں قتل کیا جائے گا، ہماری لاشیں پامال کر دی جائیں گی مگر میری وصیت ہے جب ہماری لاشیں یہاں تمہیں نظر آئیں تو ہماری بے کفن لاشوں کو کفن دے دینا اور ہمیں دفن کر دینا۔ اس کے بعد عورتوں کو بلااتے ہیں۔ فرمایا: اگر تمہارے مرد، یزید سے ڈر جائیں تو ان کو غیرت دلانا، ان سے کہنا کہ لو اسے رسول کا لاشہ ہے، بے کفن پڑا ہوا ہے تم گھر پہ بیٹھے ہوئے ہو۔

اس کے بعد چھوٹے چھوٹے بچوں کو بلایا، اگر تمہارے ماں باپ یزید کے خوف سے ہمیں دفن نہ کریں تو کھپتے ہوئے آنا اور ایک ایک مٹی خاک ہماری لاشوں پر ڈال دینا۔

ایک روایت میں ہے کہ تین دن تک لاشے بے گور و کفن پڑے رہے اور

دوسری روایت میں ہے کہ چالیس دن تک یہ لاشے کربلا کے میدان میں پڑے رہے۔

بلکہ روایت کہتی ہے کہ جب جناب نعب اس عجیب میں تشریف لاتی ہیں کہ جہاں حسینؑ کا بے کفن لاشہ پڑا ہوا دیکھا تو جناب فطہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں: میں نے دیکھا کہ شہزادی نعبؑ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ جناب فطہ نے پوچھا تو بتایا: اے فطہ! کیا آپ نے کوئی آواز نہیں سنی، کوئی منادی آواز دے رہا تھا: اے سوارو! ابھی گھوڑوں سے نہ اترنا، ابھی حسینؑ کا لاشہ پامال ہوتا ہے۔

تاریخ کہتی ہے کہ ایک ایک لاش پامالی کے لیے رکھی جاتی تھی تو یزید کے لشکر سے نکل کر کوئی کہتا تھا کہ اس سے ہماری دُور کی رشتہ داری ہے، ہماری غیرت نہیں گوارا کرتی کہ ان کی لاش ہمارے سامنے پامال ہو، تو لاش ہٹ جاتی تھی۔

دوسری لاش رکھی جاتی تھی۔ کوئی یزید کے لشکر سے نکل کر کہتا تھا: یہ ہمارے قبیلے کی لاش ہے، ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ان کی لاش پامال ہو، اس کے سوال پر لاش ہٹ جاتی تھی۔

تاریخ کہتی ہے کہ سب لاشیں ایک ایک کر کے ہٹ گئیں۔ صرف ایک لاش میدان میں پڑی تھی، کوئی نہیں آگے بڑھ کر کہہ رہا تھا کہ اس کو پامال نہ کرو، یہ رسولؐ کا نواسہ ہے۔

ادھر کے گھوڑے ادھر اور ادھر کے گھوڑے ادھر۔

امام زمانہؑ نے فریاد کی: میرا سلام ہو میرے جد حسینؑ پر کہ گھوڑوں کی ٹاپوں نے میرے جد کو پامال کیا۔ تو دائیں پسلیاں ٹوٹ کر بائیں طرف آ گئیں۔



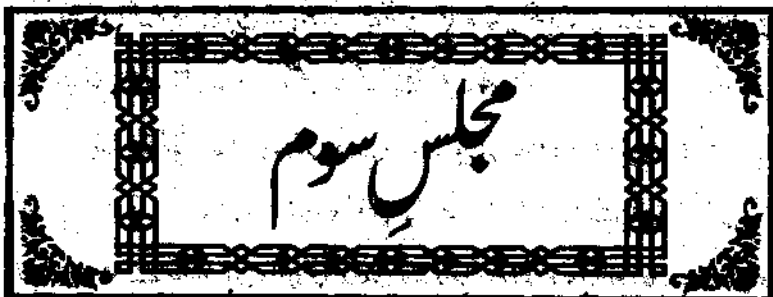
مجلس سوم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

- * ہر ایک کو اپنا مسلک اختیار کرنے کا حق حاصل ہے
- * پہلے یہ بتاؤ کہ میرا کردار کیا ہے؟
- * شفاعت کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے
- * جب کوئی سخت وقت آ جاتا تھا تو مشرک کو بھی اللہ یاد آتا تھا
- * یہ مسلمان ایسے ہیں کہ میتوں میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں
- * اے رسول! آپ شفاعت کر سکتے ہیں!
- * یہ کون سا مذہب ہے اور کون سا دین ہے؟
- * اصل قرآن تو خود رسول ہیں
- * یا رسول اللہ! کہہ کر آواز نہ دو
- * یہی سلام خود بتا رہا ہے کہ دیکھو
- * یہ محبوب اتنا پیارا ہے اللہ کو
- * چادر جسم کا جز نہیں، کمل جسم کا جز نہیں

ذکر مصائب

* جناب جون کی شہادت



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاخِلًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرًا لِّمَا مُنِيرًا (سورة الاحزاب)

(۴۶-۴۵)

موضوع جو میں نے اس سال منتخب کیا ہے وہ پچھلے سال کا تسلسل ہے۔
کیونکہ کچھ اعتراضات وہ ہیں جو اسلام پر ہوتے ہیں دشمنان اسلام کی طرف سے۔
کچھ اعتراضات وہ ہیں جو تمام غرض عقیدہ مسلمانوں پر ہوتے ہیں اور ایک مسلک
پر۔

بہر حال!

ہر ایک کو اپنا مسلک اختیار کرنے کا حق حاصل ہے لیکن جب ہر ایک کو اپنا
مسلک اختیار کرنے کا حق حاصل ہے تو ہمیں بھی دفاع کا حق حاصل ہے کہ اگر ہم پر
کوئی اعتراض کیا جائے تو ہمارا یہ بنیادی حق ہے کہ ہم دلائل کے ذریعہ سے اس کا
جواب پیش کریں۔

کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا کوئی کچھ یا جہاں اس اعتراض سے متاثر ہو جائے۔

آپ دیکھیں کہ فروع دین میں تقلید ہے لیکن عقائد میں تقلید نہیں ہے۔ اصول دین میں تقلید نہیں ہے، اس کے لیے علم ہے کہ پہلے سمجھو پھر مانو۔

لہذا عقائد کے سلسلہ میں دلچسپی ہوتی ہیں۔ زیادہ تر اعتراضات مسلک وہابیوں کی طرف سے ہیں اور ان کا فتویٰ یہ ہے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں اگر نہیں مانا اس کو جھوٹا ماننا ہے، ان کو اگر نہیں مانا تو چاہے اللہ کو ماننا ہو، چاہے رسول کو ماننا ہو، چاہے کلمہ کیوں نہ پڑھ رہا ہو، چاہے قرآن کو کیوں نہ مان رہا ہو، تو وہ مشرک ہے اور اس کا قتل واجب ہے۔

تو جب یہ فتویٰ ہو جائے کہ قتل واجب ہے تو پھر ہم کو دفاع کا حق نہیں ہے؟ ہم بتائیں کہ ہمارے جتنے بھی عقائد ہیں وہ سارے قرآن مجید اور احادیث رسول سے ثابت ہیں۔ وہی حق ہے جو ہم ان مجالس کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ یہ کہا جاتا ہے کہ تلواریں کے زور سے پھیلا اسلام۔ جب رسول اللہ نے اطالوی بعثت کیا ہے، رسول اللہ ایک بلندی پر تشریف لے جاتے ہیں۔ سامنے جو مجمع ہے وہ کافروں اور مشرکوں کا ہے، سامنے سارے وہ ہیں جو کافر اور مشرک ہیں اور آپؐ یہ فرماتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ میرا کردار تمہاری نگاہوں میں کیسا ہے؟ ابھی اعلان نہیں کیا کہ میں نبی ہوں، نہیں کہا کہ رسول ہوں۔ پہلے جملے یہ ہیں کہ یہ بتاؤ کہ میرا کردار تمہاری نظروں میں کیسا ہے؟ میرا اخلاق تمہاری نظروں میں کیسا ہے؟ میں تمہاری نگاہوں میں کیسا ہوں۔

سب نے ٹیک زبان ہو کر کہا کہ اخلاق میں آپؐ سے بہتر ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ آپؐ سے سچا کوئی نہیں۔ آپؐ سے زیادہ بااخلاق کوئی نہیں۔ آپؐ سے زیادہ باکردار کوئی نہیں۔ آپؐ سے زیادہ امانت دار کوئی نہیں۔ ابھی نہیں کہا کہ میں رسول ہوں،

میں متغیر ہوں، میں نئی ہوں۔

پہلے یہ بتاؤ کہ میرا کردار کیا ہے؟ یعنی اپنے اخلاق کا کلمہ پہلے پڑھوایا، نبوت اور رسالت کا کلمہ بعد میں پڑھوایا۔

نبوت کے زور کے اوپر اپنے کردار کو نہیں منوایا بلکہ اپنے کردار کے زور سے اپنی نبوت کو منوایا، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”اگر میں یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے کوئی لشکر ہے، جو تم پر حملہ کرنے والا ہے، تو کیا تم یقین کرو گے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ نے اگر کہہ دیا کہ اس پہاڑ کے پیچھے لشکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے تو ہم یقین کریں گے کیونکہ آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، لہذا یقین کر لیں گے کہ پیچھے لشکر ہے، کیونکہ آپ کہہ رہے ہیں کہ ہے۔

رسولؐ نے فرمایا کہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، لیکن تم میں سے اگر کوئی پہاڑ کے پیچھے چلا جائے اور لشکر نظر نہ آئے تو پھر یہ بتاؤ کہ تم کیا کہو گے؟

سب نے کہا کہ اگر ہم میں سے کوئی پہاڑ کے پیچھے چلا جائے اور اس کو وہ لشکر نظر نہ آئے، پھر بھی ہم آپ کو چھوٹا نہیں سمجھیں گے کیونکہ آپ نے کہہ دیا کہ ہے، تو پھر ہے۔ چاہے ہمیں دکھائی نہ دے رہا ہو، چاہے ہمیں نظر نہ آ رہا ہو۔ یہ کافر کہہ رہے ہیں اب سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیث رسولؐ پاکار کر کہہ رہی ہے کہ:

”میرا آخری نائب ہے، شکل و صورت بھی بتائی جا رہی ہے، نام بھی بتایا جا رہا ہے، سلسلہ نسب بھی بتایا جا رہا ہے، صفات کمال بھی بتائے جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود بھی کہتے ہیں کہ جب تک دیکھیں گے نہیں، مانیں گے نہیں..... (صلوٰۃ)

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ شفاعت کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے، کہ کوئی شفیع بن سکے۔ میدانِ حشر میں کوئی تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، جو کر دیا وہ جگھٹتا ہوگا، کوئی گناہ معاف نہیں ہوگا میدانِ حشر میں، اور نہ کسی کو معاف کروانے کا حق ہوگا، اسی کو شفاعت کہتے ہیں۔

شفاعت کا اگر کوئی قائل ہے، یہ بھی فتویٰ ہے۔ ”کشف المشہات“ نام کی ایک کتاب ہے کہ جو وہابیوں کی بنیاد ہے، اس میں موجود ہے۔ اس میں فتویٰ ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ کو یہ مانے کہ وہ میدانِ حشر میں شفاعت کریں گے، سفارش کریں گے، تو وہ کافر و مشرک ہے۔ اگر کوئی یا رسول اللہ کہہ کر پکار لے اور یہ سمجھ لے کہ وہ مدد کر سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھ لے کہ وہ میدانِ قیامت میں کام آ سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ عقیدہ رکھ لیں کہ وہ میدانِ قیامت میں ہمارے گناہوں کو معاف کر دے سکتے ہیں، اللہ کی طرف سے۔ تو وہ مشرک ہے، کافر ہے، اس کا قتل واجب ہے۔

یہ فتویٰ سارے مسلمانوں کے خلاف ہے، صرف شیعیت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ سارے مسلمان یا رسول اللہ کہہ کر پکارتے ہیں، سارے مسلمان رسول اللہ کو شفیعِ حشر، شفیعِ عرش، شفیعِ اہلِ دہن میں نے کہا: شفیعِ اہلِ دہن محمدؐ، کسی بدے کو، کسی مخلوق کو شفاعت حق حاصل نہیں۔ اور اس کے بعد اس میں یہ تحریر کہ یہ مشرکوں سے بدتر ہے۔

کئی بات تو یہ کہی کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اس زمانے کے جو مشرک تھے، جب ان کے حالات ہوئے تھے تو اپنے بتوں کو آواز دیتے تھے، لیکن جب کوئی سخت وقت آ جاتا تھا تو مشرکوں کو بھی اللہ یاد آ جاتا تھا۔

قرآن مجید کی مثال دی ہے انھوں نے ”کشف المشہات“ میں کہ رسول کے

زمانے کے جو مشرک تھے، ان کے حالات میں اپنے بتوں کو یاد رکھتے تھے اور اگر طوفان میں پھنس جاتے تھے۔ اور ان کی کشتی کسی پھوس میں پھنس جاتی تھی تو اس وقت وہ اپنے بتوں کو بھول جاتے تھے۔ اس وقت ان کو اللہ یاد آتا تھا۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرک اس زمانے کے وہ تھے، جو مصیبتوں میں اللہ کو یاد کرتے تھے، مگر یہ مسلمان ایسے ہیں کہ مصیبتوں میں بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

یا رسول اللہ، یا علیٰ عہد، یا رسول اللہ مدد تو ان کا مطلب یہ ہے ان مشرکوں سے بدتر ہیں یہ، کتنی سخت بات ہے۔

اور دوسری چیز یہ بتائی گئی کہ وہ یہ کہ سورج کی پرستش، سورج فائدہ تو پہنچاتا ہے، درختوں کی پرستش درخت فائدہ تو پہنچاتے ہیں۔ سورج کی جو پرستش ہے وہ شرک ہے مگر وہ فائدہ تو پہنچا رہا ہے۔ درختوں کی پرستش شرک ہے مگر درخت فائدہ تو پہنچاتا ہے۔ تو یہ جو مشرک جن چیزوں کی پرستش کر رہے ہیں اگرچہ شرک ہے مگر پھر بھی فائدہ مند تو ہیں وہ۔ سورج روشنی دے رہا ہے، چاند روشنی دے رہا ہے، ستاروں کے ذریعہ سے ہمیں راستے معلوم ہو رہے ہیں، اسی طرح سے درخت جو وہ پھل دے رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مگر یہ سب لوگوں کی پرستش کرتے ہیں وہ تو مر چکے ہیں، جن کا کوئی فائدہ نہیں، لہذا یہ مشرکوں سے بدتر ہیں۔

یہ ہیں فتوے، لہذا ہمارا حق ہے کہ ان کی روایتیں کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شفاعت کا حق تو قرآن نے دیا ہے مگر یہ حق خود سے کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے قدرت نے بار بار یہ فرمایا ہے کہ:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (سورہ بقرہ: ۲۵۵)
 ”کوئی شفاعت نہیں کر سکا میدانِ شر میں، مگر وہ کہ جس کو اللہ
 کی طرف سے اجازت ہو۔“

تو جب خود قرآن کہہ رہا ہے کہ جس کو اللہ اجازت دے گا وہ شفاعت کر سکا
 ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ کوئی شفاعت نہیں کر سکا۔ تو خود آپ کا عقیدہ صحیح
 قرآن ہے۔

اٹھائیس آیات قرآن مجید میں ایسی موجود ہیں کہ جن میں حق شفاعت دیا
 گیا ہے۔ ارے! کوئی ایک آیت اتر آئے کسی مسئلہ میں تو مسلمان پر واجب ہوتا
 ہے وہ عقیدہ رکھنا، جس مسئلے پر اٹھائیس آیات ہوں، اس مسئلے سے انکار ہوتا ہے۔
 اور پھر اس کی بھی بنیاد بتائی گئی۔ اب انکار تو ہو نہیں سکتا چونکہ حدیثیں موجود
 ہیں، انکار نہیں ہو سکتا حق شفاعت سے چونکہ قرآن نے حق دیا ہے۔

تو اب یہاں پر پھر اسی کتاب کشف الغمبات میں یہ بات موجود ہے کہ
 رسول کو حق حاصل ہے کہ شفاعت کریں۔ چونکہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حق دیا
 گیا، صحیح مسلم میں موجود ہے کہ حق دیا گیا، مسند احمد ابن حنبل میں موجود ہے کہ حق دیا گیا۔
 رسول کو حق شفاعت حاصل ہے مگر ہمیں وہ حق شفاعت مانگنے سے منع کیا گیا ہے۔

اے رسول! آپ شفاعت کر سکتے ہیں، گناہگاروں کو بخشوا سکتے ہیں اور
 مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ دیکھو ان سے شفاعت نہ مانگنا۔

یہ تو عجیب بات ہو گئی کہ حق دیا بھی گیا، سامنے دسترخوان بچھا ہو، مختلف اقسام
 کی نعمتیں اور سب کو دعوتِ عام ہے کہ جس کا دل چاہے آکے کھائے مگر چکھے گا
 نہیں۔

لوگ کہیں گے پھر آپ نے دسترخوان بچھایا ہی کیوں وہاں، پھر لوگوں کو دعوت ہی کیوں دی۔ جب آپ چمکنے سے روک رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ حق شفاعت ہے رسول کو، دوسری طرف یہ کہ اللہ نے منع کیا ہے کہ اس سے شفاعت مانگنا نہیں۔ کہا گیا کہ سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دو، کسی غیر اللہ کو وسیلہ نہ بناؤ، کسی مخلوق کو وسیلہ نہ بناؤ۔ تو اگر غیر اللہ کو ہم وسیلہ نہیں بنا سکتے تو پھر یہ ڈاکٹروں کے سارے ہسپتال بند کر دیجیے، کیا ڈاکٹر شفاء دیتے ہیں؟

بلکہ ڈاکٹر دوا بھی نہ کرتا ہے اور شفاء دینے والا اللہ ہے، جب شفاء دینے والا اللہ ہے تو ڈاکٹر کے پاس کیوں جا رہے ہیں۔ پھر آپ دوا کیوں استعمال کر رہے ہیں؟

ادھر مریض ہو اور بغیر کسی ڈاکٹر کے براہ راست اللہ سے شفاء طلب کیجیے تو وہاں سے دعا آئے گی کہ دیکھو شفاء ہم دیتے ہیں مگر ہم نے شفاء کے وسیلے معین کیے ہیں۔ اگر شفاء حاصل کرنا ہے تو ڈاکٹر کے پاس تمہیں جانا پڑے گا، دوا کو استعمال کرنا پڑے گا کیونکہ یہ وسیلے ہیں شفاء کے۔

تو جس طرح شفاء کا وسیلہ ڈاکٹروں کو بنایا، جس طرح شفاء کے لیے وسیلہ دوا کو بنایا اسی طرح سے میدانِ حشر میں گناہوں کی شفاعت کے لیے وسیلہ محمد و آل محمد کو بنایا۔

جب آپ حج کے اوپر جائیں گے تو آپ کو وہاں سے رسالے ملیں گے، کتابیں ملیں گی کہ جن میں یہ فتوے ہوں گے کہ دیکھئے مدینہ جائے گا مگر تفریح کی نیت سے جاسکتے ہیں، سیر کے لیے جاسکتے ہیں، گھومنے کے لیے چلے جائیے مگر روضہ رسول کی آخر زیارت کے لیے اگر نیت کی تو آپ مشرک ہو جائیں گے اور ضریح کو

چوسے گا نہیں، یہ بدعت ہے، طواف نہ کیجیے گا، ضریح کا در سول غذا کی ضریح کا طواف شرک ہے۔

یہ کون سا مذہب ہے اور کون سا دین ہے؟

بہت مشہور عالم ہمارے علامہ شرف الدین موسوی کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ وہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ جب شرف الدین موسوی ملاقات کے لیے گئے، تو ان کے پاس ایک قرآن مجید تھا کہ جس کی جلد ہرن کے کھال کی تھی اور انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ قرآن مجید ہے۔ جیسے ہی قرآن مجید پیش کیا ویسے ہی بادشاہ سلامت نے اس قرآن کو بوسہ دیا۔

اب علامہ شرف الدین کو موقع مل گیا۔ کہا: بادشاہ سلامت! آپ نے یہ کیا کیا؟ بادشاہ نے کہا کہ میں نے قرآن کو بوسہ دیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ تو شرک ہو گیا یہ تو بدعت ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا: شرک و بدعت کیا؟ میں نے تو قرآن مجید کو بوسہ دیا۔ کہا: آپ نے قرآن مجید کو بوسہ نہیں دیا، آپ نے ہرن کی کھال کی جو جلد تھی آپ نے اس کو بوسہ دیا، آپ نے قرآن کو تو بوسہ نہیں دیا۔

بادشاہ نے کہا کہ اس کو بوسہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو بوسہ دیا کیونکہ اس کے اندر قرآن ہے۔ میں نے جلد کو بوسہ دیا ہے مگر اس نیت کے ساتھ بوسہ دیا ہے کہ اس کے اندر قرآن ہے۔ لہذا جلد کو یہ بوسہ نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کو یہ بوسہ ہوا۔ اور اب تمام علماء سے پوچھا کہ میں نے یہ صحیح کیا یا غلط؟ اب سارے درباری علماء تھے، کیسے کہتے کہ بادشاہ نے غلط کر دیا۔ سب نے کہا کہ آپ نے بالکل صحیح کیا۔ جو آپ نے جلد کو بوسہ دیا ہے، یہ جلد کو بوسہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر جو قرآن ہے، یہ اس کو بوسہ ہے۔

تو کہا: جنب جلد کو بوسہ دینا قرآن کا بوسہ ہے تو ضریح رسول کو جو بوسہ دے رہا ہے اس کے اندر حقیقی قرآن موجود ہے..... (صلوٰۃ)

اصل قرآن تو خود رسول ہیں، جن کے قلب کے اوپر پڑھا قرآن نازل ہوا تو ان کی ضریح کو بوسہ دینا کب شرک ہو جائے گا۔ ان کی قبر کو بوسہ دینا کب شرک ہو جائے گا..... (صلوٰۃ)

یا رسول اللہ کہہ کر آواز نہ دو، چونکہ جو مرچکے ہیں، بھی جھلے ہیں، ٹی وی پر بھی آپ نے سنے ہوں گے۔ جس پر تمام مسلمانوں میں ہنگامہ ہوا اور تم مٹی کو پکار رہے ہو، تم مٹی کو آواز دے رہے ہو، وہ تو مٹی میں مل چکے ہیں۔ جس طرح ہم مر مٹی میں مل جاتے ہیں اسی طرح رسول بھی مر چکے اور ان کا جسم مٹی میں مل گیا (معاذ اللہ) آئے قرآن مجید سے مدد لیں، اعلان ہو رہا ہے:

سَلَّمَ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعُلُوْنِ ○ (سورۃ صافات، آیت ۷۹)

”اللہ سلام کہہ رہا ہے، میرا سلام ہو نوح پر“

سَلَّمَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ ○ (سورۃ صافات، آیت ۱۰۹)

”میرا سلام ہوا ابراہیم پر“

سَلَّمَ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ○ (سورۃ صافات، آیت ۱۲۰)

”میرا سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر“

اللہ سلام کر رہا ہے جناب نوح کے اوپر، جناب ابراہیم کے اوپر، جناب موسیٰ کے اوپر، جناب ہارون کے اوپر۔

یہ سلام کب ہے؟ یہ سلام ہے نزول قرآن کے وقت جب کہ جناب نوح کو دنیا سے رخصت ہوئے چھ ہزار سال ہو چکے۔ اس کے باوجود قرآن نوح پر سلام کر

رہا ہے، ابراہیمؑ پر سلام کر رہا ہے، موسیٰؑ پر سلام کر رہا ہے، عیسیٰؑ پر سلام کر رہا ہے تو اگر یہ نبی جتنے بھی تھے، مٹی میں مل گئے اور سوائے مٹی کے اب کچھ نہیں، تو چھ ہزار سال بعد قرآن فوج پر سلام کیوں کر رہا ہے، تو کیا اللہ مٹی کو سلام کر رہا ہے؟ کیا اللہ ہزاروں کو سلام کر رہا ہے؟

یہی سلام خود بتا رہا ہے کہ دیکھو! ایسا عقیدہ نہ رکھنا، کہ ہمارے نبی مل کر مٹی میں مل جایا کرتے ہیں جو امتی ہیں جن کو رسالت اس وقت ملی کہ جب ہمارے رسولؐ کی رسالت کا اقرار کیا ہے، نبوت اس وقت ملی جب ہمارے نبی کی نبوت کا اقرار کیا ہے، تو ایک لاکھ نو سو ننانوے کہ جتنے بھی پیغمبر اور رسول ہیں، ہمارے آخری رسولؐ کے امتی ہیں اور یہ ہیں سردار انبیاء۔ تو جب عام انبیاء مٹی میں نہیں ملتے تو جو سردار انبیاء ہو وہ کیسے مٹی میں مل جائے گا..... (صلوات)

اللہ نے ہر نبی کو پکارا، آواز دی مگر نام لے کر، نام لے کر پکارا، نام لے کر آواز دی۔ یا آدمؑ، یا نوحؑ، یا ابراہیمؑ، یا موسیٰؑ، یا عیسیٰؑ، یا یحییٰؑ، یا زکریاؑ، تو جس نبی کو آواز دی، اس کا نام لیا مگر اس آخری رسولؐ کو جب آواز دی ہے تو کبھی نام نہیں لیا، قرآن نے عجیب انداز اختیار کیا، عظمت ہے، شرف ہے، دوسرے انبیاء کو اس طرح آواز دی اللہ نے جس طرح اپنے خادموں کو آواز دے رہا ہے مگر جب اپنے حبیب کو پکارا، جب اپنے محبوب کو پکارا تو کبھی نام نہیں لیا، یا عہدہ کے ذریعہ سے پکارا، جس آیت کو سرنامہ کلام قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

یا حبیب کا کوئی لقب دیا، کوئی خطاب دیا۔ یسین اے سید و سردار، طہ اے طیب و طاہر، یا ایُّہا المرسل اے کملی اور مہمنے والے، یا ایُّہا المذکر اے چادر

اوڑھنے والے۔

یہ محبوب اتنا پیارا ہے اللہ کو، تو اگر کوئی چادر اوڑھ لی اس محبوب نے تو اللہ کو یہ چادر بھی محبوب ہوگئی۔ اگر کوئی کملی اوڑھ لی رسولؐ نے، تو وہ کملی بھی محبوب ہوگئی۔ تو مجھے اتنا بتا دیجیے جو کہتے ہیں زیارت قبر رسولؐ کو نہ چادر اور کہتے ہیں شرک اور بدعت ہے۔ تو مجھے اتنا بتا دیں کہ تھوڑی دیر کے لیے اگر کملی اوڑھ لی، چادر اوڑھ لی، تو وہ چادر محبوب ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے لیے جسم رسالت چادر سے مَس ہوئی، وہ چادر اللہ کو محبوب، تھوڑی دیر کے لیے جسم رسالت کملی سے مَس ہوئی تو وہ کملی اللہ کو محبوب تو وہ قبر رسالت مآب کہ جس میں قیامت تک جسم رسولؐ رہے گا وہ قبر اللہ کی نگاہ میں کتنی محبوب ہوگی۔ تو کیا ہم اس کو توسل کا ذریعہ نہیں بنا سکتے؟ کیا اپنے لیے شفاء کا ذریعہ نہیں بنا سکتے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کملی تھوڑی دیر کے لیے اوڑھ لی، اللہ کو وہ کملی محبوب ہوگئی، چادر تھوڑی دیر کے لیے اوڑھ لی وہ چادر اللہ کو محبوب ہوگئی۔

مجھے اتنا بتا دیں کہ ایک چادر نے تھوڑی دیر کے لیے جسم رسالت کو اپنی آغوش میں لیا وہ چادر اللہ کو محبوب ہے۔ وہ کملی جس نے تھوڑی دیر کے لیے جسم رسالت کو اپنی آغوش میں لے لیا وہ کملی اللہ کو محبوب ہے۔ تو وہ آغوش ابوطالبؓ کہ جس میں بارہ سال رسولؐ پلے، وہ آغوش اللہ کو کتنی محبوب ہوگی۔ (صلوٰۃ)

اور چادر جسم کا جو نہیں، کملی جسم کا جو نہیں۔ تھوڑی اوڑھ لی پھر اتار کر رکھ لی۔ اس کا مطلب ہے کہ لباس جسم کا جو نہیں ہوتا، مگر تھوڑی دیر کے لیے جسم رسالتؐ سے مَس ہوا تو اللہ کی نگاہ میں محبوب ہوا، جو نہیں مگر محبوب ہے تو تصور کیجیے جو خون کا جو ہیں، جو جو رسالت ہیں وہ اللہ کی نگاہ میں کتنے محبوب ہوں گے۔ وہ آلِ محمدؐ، وہ اہل بیتؑ رسولؐ کہ جن کے لیے رسولؐ سند دے رہے ہیں۔

عَلِيٍّ وَنِيٍّ وَأَنَا وَمِنْهُ

”علیٰ مجھ سے ہے اور میں علیٰ سے ہوں۔“

حَسَنٌ وَنِيٍّ وَأَنَا وَمِنْهُ

”حسن مجھ سے ہے اور میں حسن سے ہوں۔“

حُسَيْنٌ وَنِيٍّ وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ

”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔“

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ وَنِيٍّ

”فاطمہ میرا بچہ ہے۔“

تو حواصنائے رسالت ہوں گے وہ اللہ کو کتنے محبوب ہوں گے۔

ذکر مصائب

جناب جون، جو اصل میں غلام تھے جناب ابوذرؓ کے لیکن ان کے انتقال کے بعد مولا امام حسینؑ کی خدمت میں آ گئے۔ اب جب سب جان دینے کے لیے جا رہے ہیں تو جناب جون بھی کڑے ہوئے اور کہا: آقا! اصرار کی اجازت دیجیے۔ جان دینے کی اجازت دیجیے۔

امامؑ نے فرمایا: اے جون! تم تو اس لیے ہمارے ساتھ آئے تھے کہ تمہارا بڑا پاپا آرام سے گزر جائے، تم مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہو، تمہیں اجازت ہے۔ یہ میرے دشمن ہیں تمہارے نہیں۔

جونؓ نے کہا: آقا! میں سمجھ گیا کہ آپؑ اجازت کیوں نہیں دیتے کیونکہ میں سیاہ غلام ہوں، میرے جسم سے بدبو آتی ہے، لہذا آپؑ نہیں چاہتے کہ آپؑ کے

خون میں میرا خون شامل ہو۔

اجازت ملی جناب جون کو، بڑھاپے کا عالم ہے۔ جگ ہوئی ڈھی ہو کر گرے۔ آواز دی: آقا! خبر لیجیے۔ وہی حسین دوڑ کر اس جیٹی فلام کے سر ہانے پہنچے، جلتی ہوئی زمین سے فلام جیٹی کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔ اس کے بعد عجیب انداز اختیار کیا جو کسی شہید کے لیے نہیں ملتا۔ اپنے زانو پر جب جناب جون کا سر رکھا، تو اپنے چہرے کو جھکایا اور اتنا جھکایا کہ امام حسینؑ کے زخماں جون کے زخماں سے مل گئے اور اس کے بعد اپنے چہرے کو جون کے چہرے کے ساتھ ملنا شروع کر دیا۔

اے پالنے والے اسے اپنے سیاہ رنگ کا بڑا احساس تھا۔ اس کے سیاہ رنگ کو سفید رنگ سے بدل دے۔ اس کو اپنے جسم سے آنے والی بدبو کا بڑا احساس تھا اس کی بدبو کو خوشبو میں تبدیل کر دے۔

روایت کہتی ہے کہ دفن شہداء کے وقت جب امام زین العابدینؑ با اعجاز کربلا میں تشریف لائے ہیں اور دفن شہداء ہو رہا ہے بنی اسد کو ہدایت فرما رہے ہیں تو بنی اسد نے کہا: آقا! یوں ہر لاش نورانی ہے، ہر لاش سے خوشبو آ رہی ہے مگر ایک لاش ایسی ہے کربلا کے میدان میں، ہم دیکھ رہے ہیں سب سے زیادہ نور نکل رہا ہے، سب سے زیادہ خوشبو آ رہی ہے۔

امامؑ نے فرمایا: یہ جون کی لاش ہے۔ یہ میرے بابا کی دعا کا اثر ہے۔ آقاؑ نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ کسی کا سر جلتی ہوئی زمین پر رکھے، فلام کے سر ہانے بھی پہنچ گئے۔ مگر آقاؑ جب آپؑ گھوڑے سے گر کر کربلا کی زمین پر آئے ہیں، تو کون تھا جو آپؑ کا سر اٹھا کے گود میں رکھتا، مگر مجھے یقین ہے کہ جنت سے ماں آگئی تھی، جلتی زمین پر بیٹھ گئی۔

اے میرے لال! زمین بہت جل رہی ہے، آتیرا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھتی
ہوں، تاکہ تیرا سر میری آغوش میں کہے، ماں کی گود تھی حسین کا سوکھا گلا تھا، شمر کا
مکھنہ بچر تھا، ماں فریاد کرتی رہی۔



مجلس چہارم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیاں؟

- ﴿ نبوت کی معرفت پہلے ضروری ہے کہ نبی ہے کون؟ ﴾
- ﴿ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ رسول ہمارے جیسے ہیں ﴾
- ﴿ اگر کسی کو اپنا عقیدہ پیش کرنے کا حق ہے تو ہمیں اس کے جواب کا حق بھی ہے ﴾
- ﴿ جس کی تعریف اللہ کر رہا ہے ﴾
- ﴿ جب ہم نے اپنے لیے کسی شے کا انتخاب کیا ﴾
- ﴿ انسانوں میں انبیاء کا انتخاب ہے ﴾
- ﴿ قرآن مجید میں ہمارے رسولؐ کے دو نام ہیں: محمدؐ اور احمدؐ ﴾
- ﴿ تجھ سے زیادہ قابل تعریف کون ہو سکتا ہے؟ ﴾
- ﴿ جب میں نے اپنے بندے کی مدح کی تو وہ بنا محمدؐ ﴾
- ﴿ انبیاء کا جسم الگ ہوتا ہے اور امتی کا جسم الگ ہوتا ہے ﴾
- ﴿ کیا رسولؐ بھی جب معراج پر گئے تھے تو کوئی غلابی لباس پہنے ہوئے تھے؟ ﴾

ذکر مصائب

- ﴿ جناب مسلمؑ کے فرزندوں کی شہادت ﴾
- ﴿ دو شخصیتیں ایسی ہیں کہ جن کی نسل کر بلا میں ختم ہو گئی ﴾

مجلس چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذِنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (سورة الاحزاب
۳۵-۳۶)

نبوت کی معرفت پہلے ضروری ہے کہ نبی ہے کون؟ نبی ہوتا کون ہے؟
جس کو نگاہ قدرت پوری کائنات میں منتخب کرے اپنے پیغام کے لیے، وہ نبی
بنتا ہے، وہ رسول بنتا ہے۔ تو تصور کیجیے کہ پوری کائنات میں جس کو اللہ کی نگاہ منتخب
کرے، وہ کیا ہو۔

پہلے اس رسول کی معرفت ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہمیں دین ملا،
جس کے ذریعہ سے ہمیں شریعت ملی اور یہ جو بات کہہ دی جاتی ہے کہ نبی ہمارے
جیسا، یہ بھی ایک عقیدہ ہے۔

تمام مسلمانوں پہ جو اعتراضات ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے، رسول
اللہ کی کوئی تعظیم نہیں ہونی چاہیے، نام رسالت آئے اور اگر آپ کھڑے ہو گئے تو یہ
شرک کہا جاتا ہے۔ اگر تعظیم کر لی تو شرک۔

اس کا مطلب ہے کہ معرفت رسالت نہیں ہے۔ اس نبی کو نہیں پہچان رہے ہیں کہ جو دین لے کر آیا ہے تو دین کو کیسے پہچانیں گے۔ پھر دین کی شناخت کیسے ہوگی، پھر شریعت کی معرفت کیسے ہوگی۔

آپ دیکھیں کہ یہ بات کبھی گئی کہ رسول ہمارے جیسے، ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور ہم بھی کھاتے پیتے ہیں، وہ بازاروں میں چلتے ہیں، ہم بھی بازاروں میں چلتے ہیں، وہ بھی مریض ہو جاتے ہیں، ہم بھی مریض ہو جاتے ہیں حالانکہ نبی مریض ہوتا ہے لیکن نبوت مریض نہیں ہوتی۔

تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ رسول ہمارے جیسے ہیں جیسے ان کا جسم ویسے ہمارا جسم، جیسی ان کی ضروریات ہیں ویسی ہماری ضروریات ہیں، لہذا ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تو جسم کو معرفت کا ذریعہ بنا لیا، جب کہ معرفت ہونا چاہیے تھی نبوت کے ذریعے۔

پہلے اس رسول کی معرفت ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہمیں دین ملا۔ اگر یہی معیار ہے تو ایک کو اجو ہے جو اس کی بھی چونچ، اس کے بھی ہڈ، اس کے بھی ہڈ، وہ بھی غذا کی تلاش میں پھرتا ہے، اس کو بھی بھوک لگتی ہے، اس کو بھی پیاس لگتی ہے، اور اسی طرح سے اگر کوئی باز ہے، مور ہے، ہلیل ہے، اس کی بھی ضرورت تو اس کا مطلب ہے کہ کوئے اور ہلیل میں کوئی فرق نہیں؟

شیر، اس کا بھی جسم ہے، اس کی بھی ضرورتیں ہیں، اس کی بھی پیاس ہے، بھوک ہے، اس کو بھی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے پاس بھی جسم ہے اور گدھے کے پاس بھی جسم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی نگاہ میں شیر اور گدھا میں کوئی فرق نہیں ہے؟

ایک چشمہ میں بھی پانی بہہ رہا ہے صاف شفاف پانی، آپ کو یاس محسوس ہوئی، آپ نے جلو میں پانی لیا، چشمہ میں بھی پانی بہہ رہا ہے اور نالے میں بھی پانی بہہ رہا ہے تو پھر آپ کی نگاہوں میں ایک چشمے میں اور نالے میں کوئی فرق نہیں ہے؟ تو لہذا چشمہ کے ساتھ ساتھ نالے سے بھی اپنی یاس بچھاؤ، تو یاد رکھیں آپ، کہ اگر کوئی انسان ہے اور اس میں انسانی خصوصیت پائی جاتی ہے اور واقعی اس میں انسانی اصل پائی جاتی ہے۔ تو وہ چشمہ اور نالے میں فرق کرے گا، چشمے سے پانی پیئے گا مگر نالے سے پانی نہیں پیئے گا۔ لیکن جو جانور ہیں جس میں تمیز نہیں، وہی چشمہ اور نالے میں کوئی تمیز نہیں کرے گا۔

بہر حال —

اگر کسی کو اپنا عقیدہ پیش کرنے کا حق ہے تو ہمیں اس کے جواب کا حق بھی ہے کہ ہم اس کا جواب دیں مگر وہی جملے یاد رکھیے گا کہ:

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
 ”بلانا ہے کسی کو صحیح راستے کی طرف حکمت سے بلاؤ اور اچھے
 موعظہ سے بلاؤ۔“ (سورہ نحل، آیت ۱۲۵)

لہذا میری زبان میں کیا دم ہے کہ اس میں رسول کا تعارف کروا سکوں کہ جس کی مدح اللہ کر رہا ہے، جس کی تعریف اللہ کر رہا ہے، جس کو اللہ محمد کہہ رہا ہے کہ جس کے معنی بہت زیادہ قابل تعریف کے ہیں۔

تو میری زبان میں کہاں دم ہے کہ ذرہ برابر بھی اس رسول کے فضائل پڑھ سکوں۔

رسول وہ ہے، پیغمبر وہ ہے، نبی وہ ہے کہ جس کو پوری کائنات میں، قدرت

نے اپنے پیغام کے لیے منتخب کیا۔ تو تصور کیجیے کہ وہ نئی کون ہوگا۔ ہم کو بھی اپنے لیے جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم اپنی نگاہوں کی وسعت کے مطابق، ہر شے میں بہتر سے بہتر چیز کا انتخاب کرتے ہیں۔ جب ہمیں اپنے لیے کسی چیز کا انتخاب کرنا ہوتا ہے تو اپنے علم کے مطابق، اپنی نگاہوں کے مطابق، ہم ہر شے میں بہتر سے بہتر کا انتخاب کرتے ہیں۔

اگر انگوٹھی کے لیے گلینے کی ضرورت ہوئی تو سڑک پر پڑے ہوئے پتھروں کا انتخاب نہیں کرتے، بلکہ ہماری نگاہوں میں جو قیمتی پتھر ہیں، ہیرے اور جواہرات کا انتخاب کرتے ہیں۔ اگر گلے کے لیے ہار کی ضرورت ہوئی تو قیمتی موتیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ اگر باغ کے لیے پھولوں کی ضرورت ہوئی تو جنگلی، بے رنگ اور بے بو والے پھول نہیں لگاتے بلکہ جو ہماری نگاہوں میں منتخب پھول ہیں۔ گلاب، جیلا، چنیل اور موتیا۔ ان سے باغ کو زینت بخشنے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم نے اپنے لیے کسی شے کا انتخاب کیا تو جو بہتر سے بہتر چیز تھی، ہم نے اس کو منتخب کیا۔ تو مجھے یہ بتا دیجیے کہ جب نگاہ قدرت انتخاب کرے گی، جب اللہ کی نگاہ انتخاب کرے گی تو اپنے علم کی وسعت کے مطابق۔ اسی لیے جب اس کی نگاہ انتخاب چلی تو ساری زمینوں میں کعبہ کو منتخب کیا اور پتھروں میں حجر اسود کو منتخب کیا، پہاڑوں میں کوہ طور کو منتخب کیا اور درختوں میں شجر طوبیٰ کو منتخب کیا، چشموں میں چشمہ زم زم کو منتخب کیا، جانوروں میں ناقہ صالح کو منتخب کیا، ملائکہ میں جبریل کو منتخب کیا۔ جب پوری کائنات میں انتخاب کا وقت آیا تو انسان کو جن کرامات و مخلوقات بتایا۔

انسانوں میں انبیاء کا انتخاب ہے، انبیاء میں رسولوں کو چنا ہے، رسولوں میں

اولوالعزم و پیغمبروں کو چنا اور اولوالعزم و پیغمبروں میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کو چن کر اپنا محبوب بنایا..... (صلوٰۃ)

دو نام ہیں قرآن مجید میں ہمارے رسولؐ کے: محمدؐ اور احمدؐ۔
 محمدؐ چار مرتبہ قرآن میں آیا ہے اور احمدؐ ایک دفعہ آیا ہے۔ محمدؐ کے معنی ہیں بہت زیادہ قابلِ تعریف، اور احمدؐ کے معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔
 محمدؐ اسم مفعول ہے اور احمدؐ اسم فاعل کا۔ اسم مفعول یعنی جس کی تعریف کی گئی ہو، احمدؐ جو تعریف کر رہا ہو۔ تو محمدؐ بھی یہی ہیں، احمدؐ بھی یہی ہیں۔

سارے مسلمانوں سے خطاب ہے اور خاص طور سے ان سے جو رسولؐ کو اپنے جیسا کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں عظیم رسالت کیا ہے؟ اور اللہ کا نام ہے محمود۔ یہ محمدؐ ہے اور وہ محبوبؐ ہے، رسولؐ محمدؐ ہیں اور اللہ محمودؐ ہے۔
 محمدؐ کے معنی بہت زیادہ قابلِ تعریف، اور محمودؐ کے معنی قابلِ تعریف۔ محمدؐ میں مبالغہ ہے اور محمودؐ میں مبالغہ نہیں ہے، یعنی صرف قابلِ تعریف۔

پالنے والے اہات سمجھ میں نہیں آ رہی، تجھ سے زیادہ قابلِ تعریف کون ہو سکتا ہے، تو خالق ہے، تو رب ہے، تو مالک ہے، تو پیدا کرنے والا ہے۔ ارے لاکھ مرتبہ ہمارے رسولؐ کا بلند ہو مگر مخلوق ہیں، تو معبود ہے۔ یہ عبادت گزار ہیں۔ تو رب ہے اور یہ پیدا ہونے والے ہیں، تو خالق ہے، یہ مخلوق ہیں، ساری تعریفیں حیرے لیے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تو اپنا نام محمدؐ رکھتا، اور بندے کا نام محبوبؐ ہوتا تو شاید ندائے قدرت آئے کہ تو بات کے راز کو نہیں سمجھ سکا۔ جب پوری کائنات نے میری تعریف کی، مدح کی، حمد کی تو میں یا محمودؐ اور جب میں نے اپنے بندے کی مدح کی تو

وہ عاقل۔

جس کی کائنات تعریف کر رہی ہو، محمود ہے اور جس کی خالق کائنات تعریف کر رہا ہو وہ عاقل ہے۔ اب کتنی بڑی فطرتی ہوگی یہ کہتے ہوئے کہ رسول ہمارے جیسے ہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ جسم کی وجہ سے انسان کو کوئی فضیلت و برتری حاصل ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے کہ ہمارے جیسا جسم تھا۔

انجیاء کا جسم الگ ہوتا ہے اور امتی کا جسم الگ ہوتا ہے۔ قرآن مجید اعلان کر رہا ہے کہ جناب موسیٰ بنی اسرائیل سے منتخب کر کے، لے گئے ستر لوگوں کو کوہ طور پر، سب کے سب متقی تھے۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟

جب کہا کہ ہم اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ جیسے ہی وہ نور چمکا، سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ چنے امتی تھے سب کے جسم جل گئے مگر موسیٰ کا جسم محفوظ رہا، موسیٰ پر صرف بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔ جناب موسیٰ بے ہوش کر گئے۔

تو اگر امتیوں کا جسم اور نئی کا جسم ایک ہوتا تو جو حشر امتیوں کے جسم کا ہوا تھا وہی موسیٰ کا بھی ہوتا۔ لیکن امتی کا جسم جل گیا اور نئی کا جسم محفوظ رہا۔ اس کا مطلب ہے کہ عام مخلوقات کا جسم اور ہے، اور نئی کا جسم اور ہے۔

اس کی بہترین دلیل معراج ہے۔ جب یہ غلاء میں جاتے ہیں تو ان کا مخصوص لباس ہوتا ہے تاکہ جب یہ غلاء میں جائیں تو وہاں کچھ شعاعیں ہوتی ہیں جو انسانی جسم کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں لہذا وہ مخصوص لباس پہن کر جاتے ہیں کہ جب وہ اس خلائی جہاز سے باہر نکلیں تو محفوظ رہیں۔

تو کیا رسول بھی جب معراج پر گئے تھے تو کوئی خلائی لباس پہنے ہوئے تھے

بلکہ یہی معمولی لباس تھا۔

آج جب غلام میں راکٹ جاتے ہیں تو ان کی رفتار چالیس ہزار میل فی گھنٹہ ہوتی ہے، اتنی تیز رفتاری سے غلام میں جہاز جاتے ہیں تو جو راکٹ بننے ہیں وہ اس لوہے سے نہیں بنے جس سے یہ لاؤڈ انفیکر بنتا ہے۔ اگر اسی لوہے سے وہ راکٹ بھی بن جائیں تو سائنس دان کہتے ہیں کہ جب تیز رفتار سے کوئی جسم غلام میں سفر کرتا ہے تو اس میں رگڑ پیدا ہوتی ہے، اس رگڑ سے گرمی پیدا ہوتی ہے تو اسی لیے جب چالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کوئی راکٹ غلام میں سفر کرے گا تو اتنا زیادہ فریکشن ہوگا اس میں، اتنی زیادہ اس میں رگڑ پیدا ہوگی کہ عام لوہا اس گرمی کو برداشت نہیں کر سکتا، راکٹ جل کر راکھ بن جائے گا، ختم ہو جائے گا، خاک ہو جائے گا۔ لہذا مخصوص دھاتیں بنائی جاتی ہیں کہ جن کے ذریعہ سے وہ راکٹ بننا ہے تاکہ تیز رفتاری کی وجہ سے جو رگڑ پیدا ہو اس سے جو گرمی پیدا ہو، وہ یہ راکٹ برداشت کر سکے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی راکٹ چالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے غلام میں تو عام لوہا اس میں استعمال نہیں ہو سکتا بلکہ مخصوص دھات اس میں استعمال کی جاتی ہے۔ تو مجھے اتنا بتا دیجیے کہ اللہ کا رسول معراج کی منزلوں پر گئے اور واپس آئے اتنی تیز رفتاری سے کہ گھر کے دروازے کی زنجیر مل رہی تھی، بستر اسی طرح سے گرم تھا، تھوڑی سی بلندی پر دھوکا کیا تھا۔

روایت کہتی ہے کہ آپ شریف لے گئے معراج کی منزلوں پر، واپس آئے دھوکا پانی زمین تک نہیں پہنچا تھا۔ انسان جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو اگر دروازے میں زنجیر لگی ہوئی ہے تو ذرا سا جو جھکا لگتا ہے دروازے کو تو کتنی دیر تک وہ زنجیر ہلتی

ہے۔ چند سیکنڈ سے زیادہ اس میں جنبش نہیں رہتی، حرکت نہیں رہتی۔ مگر روایت کہتی ہے کہ رسول اللہ دروازے کھول کر باہر نکلے تھے، زنجیر دروازے کی ہلنے لگی تھی۔ جب واپس آئے تو اسی طرح سے زنجیر ہل رہی تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ اتنی حیرت انگیز سی گئی اور آئے تھے، اتنی حیرت انگیزی سے سڑ کیا تھا۔ یہ معمولی راکٹ جو چالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کریں تو عام لوہے سے نہیں بنا سکتے، مخصوص دھاتیں استعمال کی جاتی ہیں۔

ہمارے رسولؐ نے معراج کا سفر اتنی حیرت انگیزی سے کیا تھا۔ اگر خاک سے بنے ہوتے تو جل کر خاک ہو جاتے کیونکہ فوراً اس لیے محفوظ رہے..... (صلوٰۃ) اب نہ کہنا کہ رسولؐ ہمارے جیسے۔

یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ رسولؐ ہمارے جیسے ہیں۔ تو اب قرآن میں معراج کا تذکرہ جھٹلا بھی نہیں سکتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَحْضَا الَّذِیْ بَوَّعْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا
اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (یعنی اسرائیل، آیت: ۱)

جب اس کو نہ جھٹلا سکے تو کہا خواب دیکھا تھا لہذا گئے نہیں تھے، جس طرح سے ہم خواب دیکھا کرتے ہیں، اس طرح اللہ کے رسولؐ نے بھی خواب دیکھ لیا تھا۔ (ماذا اللہ)

چلیے خواب ہی دیکھا تھا، جس طرح سے ہم خواب دیکھا کرتے ہیں، رسولؐ نے اسی طرح خواب دیکھا تھا۔ فرض کریں کہ میں امریکہ پہنچا تو جیسے ہی واشنگٹن کے ہوائی اڈے پہ پہنچا، دیکھا صدر امریکہ میرے استقبال کے لیے موجود ہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ مختصر زیدی نے صرف امریکہ کے صدر ہی کو جوتا نہیں مارا ہے بلکہ امریکہ کے ہر حامی کے منہ پر جوتا مارا ہے۔

تو میں واشنگٹن پہنچا تو وہاں پہ صدر امریکہ استقبال کے لیے موجود وہاٹ ہاؤس میں مجھے لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ جتنے بھی سربراہان حکومت ہیں، جتنے بھی بادشاہ ہیں، سب میرے استقبال کے لیے موجود ہیں، بہترین وہاں دعوت ہوئی۔ میں نے کہا کل میں گیا تو آپ نے کہہ جب آپ کو ہم بھی پہنچتے ہوئے دیکھا۔ کہا: میں نے لینے لینے خواب دیکھا۔

آپ کہیں گے کہ جناب عجیب آدمی ہیں کہ خواب دیکھا اور فخر کر رہے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جیسا معمولی انسان اگر کوئی خواب دیکھے فخر نہیں کرے گا تو اگر معراج کوئی خواب ہوتی تو اللہ قرآن میں فخر یہ بیان نہ کرتا۔ ”پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔“

تو اس کا مطلب ہے کہ خواب نہیں ہے، جو اللہ فخر یہ قرآن میں بیان کرے۔ وہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ وہ مالک و خالق فخر یہ قرآن میں تذکرہ کر رہا ہے۔ اچھا چلتے ہم نے مان لیے کہ رسول ہمارے جیسے جس طرح سے ہم نہیں جاسکتے اس طرح سے ہمارے رسول بھی نہیں جاسکتے، تو کب اللہ کہہ رہا ہے کہ رسول خود جارہے ہیں بلکہ اعلان ہو رہا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْمٰوِیْ بِعَبْدِہٖ

”پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو لے کر جا رہا ہے“ یہ نہیں کہا کہ خود سے گئے۔ تو کیا اگر رسول کسی فضیلتوں پر اقرار نہیں تو کیا اللہ کی قدرت پر بھی یقین نہیں ہے؟

ذکر مصائب

ایک معراج اس دنیا میں بھی ہے، اس معراج کا نام ہے کربلا، یہ بھی معراج ہے، یہ معراج ہے صبر کی، یہ معراج ہے ایمان کی، یہ معراج ہے قربانیوں کی، یہ معراج ہے بندگی کی، یہ معراج ہے اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کی۔

مجھ سے فرمائش ہے ایک تذکرے کی، وہ ہے جناب مسلم کے فرزندوں کا تذکرہ، ان بچوں کا تذکرہ کہ کلیجے میں اتکام نہیں ہے، دل میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان بچوں کا مکمل تذکرہ ہو سکے، ہلکے سے چند اشارے سن لیجئے کیونکہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ ان بچوں کا تذکرہ آپ نہیں کرتے۔ کربلا کی دو شخصیتیں ایسی ہیں کہ جن کی نسل کربلا میں ختم ہو گئی۔

وہ کون ہیں؟

امام حسینؑ نہیں ہیں۔ وہ دو شخصیتیں ہیں: ایک محدث ہے، ایک مرد ہے۔ ایک جناب نعتؑ، جنہوں نے اپنا سب کچھ اپنے بھائی پر قربان کر دیا، پھر جناب نعتؑ کی نسل میں کوئی باقی نہیں رہا۔ اور دوسرے جناب مسلمؑ، ان کے سارے بچے اسی کربلا کے واقعہ میں ختم ہو گئے۔ کوئی واپس مدینہ نہیں پہنچا۔ دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی۔

شام غریباں میں جس وقت یہ عالم خیموں کے اندر داخل ہوئے ہیں تو گھوڑوں سے اترے نہیں تھے بلکہ گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے خیموں میں داخل ہوئے تھے اور بہت سے بچے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے خیموں کے اندر پامال ہو گئے۔

تو جس بچی کا تذکرہ میں نے آپ کے سامنے پہلی عزم کو کیا تھا، یہ بچی شام غریباں میں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پامال ہو گئی تھی۔ یہ بچی زعمہ نہیں رہی تھی۔

کر بلا ہی کاٹھ بن گئی تھی۔ اور دو بچے جو کوفہ میں قید تھے بعد شہادت جناب مسلم۔ بچوں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔ بابا مسلم ہیں، جناب مسلم فرما رہے ہیں جناب رسولؐ ہے: ”مے اللہ کے رسولؐ اے میرے جد، میرے بچے بڑی رحمتوں میں ہیں، میرے بچے بڑی تکلیفوں میں ہیں تو رسول اللہ نے فرمایا: ”مے مسلم! تمہارے بچوں کی رحمتوں کے دن ختم ہو گئے، اب ان کی مصیبتوں کے دن ختم ہو گئے۔“

بچوں کی آنکھ کھل گئی، کہا: ہم کیسے آزاد ہوں؟ کہا: یہ جو زعمان کا داروغہ ہے اسی سے بات کرتے ہیں شاید اس کو رحم آ جائے۔ تو جب داروغہ کھانا پہنچانے آیا، ایک سوکھی روٹی ہوتی تھی اور پانی کے دو گلاس ہوتے تھے۔ جب وہ سامنے آیا تو ڈرتے ڈرتے کہا: اے شیخ! تو صورت سے مومن لگ رہا ہے، کیا تو اہل بیت رسولؐ کو پہچانتا ہے؟

جیسے ہی اہل بیت کا نام آیا، تقسیم سے وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ ارے تمہاری زبان پہ اہل بیت رسولؐ کا نام؟ میری جانیں ان پر فدا ہوں، مگر تم ان کا تذکرہ کیوں کر رہے ہو؟ جب یہ تقسیم و تحریم دیکھی تو جب ہمت ہوئی۔

کہا: ہم ایک بات کہنا چاہتے ہیں مگر ہمیں مارو گے تو نہیں؟

کہا: نہیں میں قسم کھاتا ہوں، اہل بیت کی قسم کھاتا ہوں کہ تمہیں کوئی اذیت

نہیں پہنچاؤں گا۔ تاؤ کیا بات ہے؟

کہا: ہم اہل بیت کے خاندان سے ہیں، ہم مسلم کے فرزند ہیں، یہ منہ تھا،

قدموں پہ سر رکھا اور کہا:

اے شیخ! او! پہلے کیوں نہیں بتایا، اگرچہ میری جان چلی جائے گی، مجھے معلوم

ہے کہ مجھے مار دیا جائے گا، مگر یہ دروازہ کھلا ہے، جائے تشریف لے جائے۔
 بچوں نے کہا: اے شیخ! ہمیں راستہ معلوم نہیں ہے۔ راستہ بتا دیا کہا کہ اس
 اس راستے جائے گا، آپ کو راستہ مدینہ کامل جائے گا۔

بچے چلے مگر راستہ بھول گئے، تھک کر ایک چشمہ کے کنارے پہنچے۔ چشمہ
 سے پانی پیا، رات ہو گئی تھی لہذا قریب ہی ایک درخت تھا اس پر چڑھ گئے۔ صبح کو
 ایک خاتون چشمہ سے جب پانی لیے آئی تو ان بچوں کا عکس پانی میں نظر آیا۔ ایسا لگتا
 تھا کہ دو ہندسے ہیں جو آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اوپر دیکھا چاندی دو صورتیں نظر
 آئیں۔

کہا: آپ کون ہیں؟
 بچوں نے پھر قسم دلوائی، قسم کھائی جب ہم بتائیں گے۔
 کہا: میں قسم کھاتی ہوں تم بتاؤ۔

کہا: ہم مسلم کے فرزند ہیں۔ وہ عورت بچوں کو اپنے ساتھ لے گئی۔ اپنے گھر
 میں رکھا۔ اس کا شوہر حادثہ انتہائی عالم، انسانیت سے گرا ہوا، جب اس کو یہ پتا چلا
 کہ مسلم کے بچے میرے گھر میں ہیں۔

فریاد کرتی رہی زچہ مگر یہ عالم نہ مانا، شب کا سناٹا تھا تو اس نے بچوں کو
 باغداد دیا کہ صبح ان کو قتل کروں گا اور جا کر اہلین زیاد سے انعام حاصل کروں گا۔

صبح کو لے کر چلا دریاے فرات کی طرف، یہی فریاد کرتی رہی، ارے کچھ تو
 رحم کر، ان کے مصوم چہرے دیکھ مگر اس عالم کو رحم نہ آیا۔ فرات کے کنارے لے
 گیا۔ چاہتا تھا کہ ایک بچے کو قتل کرے۔

بڑا بیٹا ابراہیم تھا وہ دوڑ کر آگے بڑھا کہ نہیں میں بڑا ہوں، پہلے مجھے قتل

کرو، کیونکہ ماں اس کو میرے سپرد کر گئی ہے۔

اتنی اجازت دے دے کہ ہم دو رکعت نماز ادا کر لیں، نماز پڑھی تو ہاتھوں کو ہارنگ والی میں بند کیا: پالنے والے، ہمارے اور اس ظالم کے درمیان تو فیصلہ کرنا۔

اس نے تلواریں اپنے غلام کو دی کہ تم قتل کرو۔ جیسے وہ غلام قریب آیا، فرماتے ہیں کہ تیری شکل تو کچھ حسرت بلال سے مل رہی ہے۔ اس نے کہا: تم بلال کو کیا جانو۔

بچوں نے کہا: ہم سے زیادہ بلال کو کون جانے گا، ہم خانوادہ اہل بیت کے بچے ہیں۔

اس نے تلوار پھینک دی اور اپنے کو جا کر دریا میں گرا دیا۔ پھر اس نے اپنے بچے کو تلوار دی کہ جا تو قتل کر دے۔ جیسے ہی بیٹا قریب آیا، بچے کہتے ہیں کہ تیری شکل کچھ ہمارے بھائی علی اکبر سے ملتی ہے۔

اس نے کہا: تم کیا علی اکبر کو جانو؟

کہا: ہم خاندان رسالت سے ہیں۔ وہ بھی خوراہٹ گیا۔

اب یہ لمحوں خود آگے بڑھتا ہے، وہ بچے فریاد کرتے ہیں کہ ہمیں ابن زیاد

کے دربار میں پیش کرو، وہاں سے انعام تجھ کو مل جائے گا مگر اس ظالم کو رحم نہ آیا۔

تلوار چلتی ہے، پہلے بڑے بھائی کا سر قلم ہوتا ہے، اس کی لاش فرات میں

پھینک دیتا ہے۔ روایت کہتی ہے کہ لاش وہی پرڑی رہی۔ جب دوسرا بھائی قتل ہوا،

جیسے ہی اس کی لاش فرات میں پھینکی ہے تو بڑے بھائی نے گلے میں باغیں ڈالیں

چھوٹے بھائی کے۔

بس آخری جملہ

وہ لمحوں دونوں بچوں کے سر لیے ہوئے، دربار ابن زیاد میں پہنچا، جیسے ہی

سبوں سے کپڑا ہٹایا، تاریخ کہتی ہے کہ ابن زیاد جیسا شقی تین مرتبہ اٹھا اور تین مرتبہ زمین پر بیٹھا۔

اے حارث! اے مصوم بچوں کو تو نے کیسے قتل کر دیا، اتنا تادمے کہ آخری وقت ان کی زبان پر کیا تھا؟

کہا: آخری وقت ان کی زبان پر تھا: پالنے والے اس کے اور ہمارے درمیان میں تو فیصلہ کرنا۔

ابن زیاد نے کہا: بچوں کی دعا قبول ہوگی۔ حارث کو لے جاؤ، اس کو قتل کر دو۔

اے عزادارو! مجھے اتنا تادمے جب ابن زیاد سے یہ صدمہ برداشت نہ ہو سکا تو جب ماں کی آغوش میں یہ ننھے منے سر پہنے ہوں گے تو ماں کا کیا حال ہوا ہوگا۔



مجلس پنجم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

-* ہمارے رسولؐ زعمہ ہیں کہ مُردہ ہیں؟
-* رسول اللہؐ کی قبر کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں؟
-* ہم لوگ دعا میں ان کو وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟
-* ان کی تعظیم کیسی، ان کی مکریم کیسی؟
-* کسی اور سے شفا طلب نہ کرو سوائے اللہ کے
-* جناب یعقوبؑ جب ان کو پتہ چل گیا کہ جناب یوسفؑ سلطنت مصر پہ ہیں
-* توحید میں کوئی فرق نہیں ہے، جو چیز پہلے مخالف توحید تھی
-* کیا چودہ سو سال پہلے مجروحہ تھا آج نہیں؟
-* تو اس قرآن کریم کو ہم مجروحہ کیسے مانیں

ذکر مصائب

.....* زہیر بن قینؓ کی شہادت

مجلس پنجم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (سورة الاحزاب
۴۵-۴۶)

پچھلے سال بھی یہی موضوع رہا اور اس سال بھی وہی موضوع ہے اور میں نے
مرض کیا کہ یہ موضوع ایسا ہے کہ سوچنے پر بھی کم ہیں۔
ظاہر ہے کہ اس کے لیے سو سال مسلسل کوئی عشرہ پڑھے جب شاید ان تمام
اعتراضات کے جواب ہو کہ اعتراضات کیسے جاتے ہیں اور سات ہزار اعتراضات
کی لسٹ آیت اللہ سیستانی کا ایک مؤسسہ ہے اس میں بنی ہے کہ کل اعتراضات
سات ہزار ہیں۔

ظاہر ہے کہ ممکن نہیں ایک ہی شخص کے لیے ان تمام اعتراضات کے جوابات
دے سکے، اس پر تو علماء کا ایک گروہ ہو جو رفتہ رفتہ جوابات پیش کریں۔ لیکن خاص
خاص چیزیں جو بنیادی اعتراضات ہیں تو کوشش کریں گا کہ ان کا جواب ہو، جیسے کہ
مسئلہ حیات النبیؐ ہے کہ ہمارے رسولؐ زندہ ہیں کہ مردہ ہیں؟ یہ ایک مسئلہ ہے کہ جس

پر نگہ اور بحث ہے۔ اسی طرح سے مسئلہ شفاعت ہے کہ کوئی شفع ہو سکتا ہے یا نہیں۔
اللہ کی بارگاہ میں اس کی شفاعت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟

یہ بھی ایک بہت اہم مسئلہ ہے کہ مسئلہ توسل کہ ہم کسی کو وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں بنا سکتے؟ وسیلہ بنانا شرک ہے؟ بدعت ہے یا اسلام میں جائز ہے؟

قبروں کی زیارت یہ بھی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ سارے مسلمان اس مسئلہ میں شامل ہیں کہ رسول اللہ کی قبر کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ان کے رونے کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ان کو ہم اپنا شفع مان سکتے ہیں یا نہیں؟ وہ شفاعت فرمائیں گے یا نہیں؟

ہم لوگ دعائیں ان کو اپنا وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کے ذریعہ سے دعا مانگ سکتے ہیں یا نہیں، اسی طرح سے وہ اب حیات ہیں یا حیات نہیں ہیں؟
میں نے کل عرض کیا تھا آپ کے سامنے کہ جب تک ہم نبوت کو نہ پہچانیں اس وقت تک ہمیں کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی۔ شفاعت نبوت سب سے پہلے ضروری ہے کیونکہ نبی ہی کے ذریعہ سے ہمیں سب کچھ ملا ہے۔

نبیؐ نے فرمایا کہ اللہ ایک ہے، ہم نے مان لیا۔ نبیؐ نے کہا کہ وہ عادل ہے، ہم نے تسلیم کر لیا۔ نبیؐ نے فرمایا اور انھی کا تو دھوٹی ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور ایک لاکھ ۲۳ ہزار نو سو ستانوے سب کی نبوت کو ہم نے مان لیا، کیوں ہمارا نبی کہہ رہا ہے جس کو ہم سچا مانتے ہیں، جس کو ہم صادق مانتے ہیں، وہ کہہ رہا ہے تو ہم نے سب مان لیا۔ اس نے کہا کہ قیامت آئے گی، ہم نے مان لیا۔ اس نے کہا کہ فرشتے ہیں، ہم نے تسلیم کر لیا۔ اس نے کہا کہ جنت ہے ہم نے مانا، اس نے فرمایا کہ جہنم ہے ہم نے تسلیم کر لیا۔ اس نے کہا: حوریں اور غلمان ہیں، کوثر اور سلسبیل ہے، سب چیزیں ہم

نے بغیر دیکھے مان لیں، یعنی اس کی سچائی پر ہم کو بھروسہ ہے، اس پر احادیث کے وجود کہہ رہا ہے وہ صحیح کہہ رہا ہے اور صحیح کہہ رہا ہے، لہذا ہم نے ہر چیز اس کی تسلیم کی، کیونکہ وہ اللہ کا ناسخہ ہے۔

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ صاحب ان کی تعظیم کہیں، ان کی تحریم کیسی؟ یہ کہا جاتا ہے کہ صاحب آپ اتنا بتا دیجیے کہ کوئی ڈاکیا / پوسٹ میں جب کوئی ڈاک لے کر آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں وہ کسی عظیم شخصیت کا خط ہے تو اس خط کی ہم عزت کرتے ہیں۔ اس پیغام کو ہم اپنے سر پر رکھتے ہیں، اس پیغام کو ہم اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں، اس پیغام کو ہم چومتے ہیں، ڈاک کے ہاتھ کو نہیں چومتے۔ دیکھئے!

جانوں اور بچوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ مثال دی جاتی ہے، بات اپنی جگہ پر صحیح ہے بالکل۔ فرض کریں کہ کسی مرجع کا خط آجائے تو ہم نے اس کی آنکھوں سے لگایا اس کو اپنے سر پر رکھ لیا تو کیا وہ ڈاکیا جو لے کر آیا، تو کیا ہم اس کے بھی ہاتھ چوم لیں؟ تعظیم کے لیے ہم اٹھتے ہیں؟ پیغام لانے والے کی تعظیم نہیں ہوتی۔ تعظیم پیغام کی ہوا کرتی ہے لہذا قرآن کی تعظیم کرو کیونکہ اللہ کا پیغام ہے۔ قرآن کو سر پر رکھو، قرآن کی آنکھوں سے لگاؤ، قرآن کو چومو کیونکہ اللہ کا پیغام ہے، رسول تو پیغام لانے والے ہیں، ان کی تعظیم کیوں؟ ان کی تحریم کیوں؟ نام رسالت آنے پر اگر کوئی کھڑا ہو جائے تو مشرک ہے، بدعتی ہے، اسلام سے خارج ہے۔

اس طرح کے فتوے ذہن کو بہکانے کے لیے۔ تو میں پہلے عرض کر دوں کہ عام جو پیغام لانے والے ہوتے ہیں، ان میں اور جو اللہ کا پیغام لے کر آئے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو عام پیغام، خط لے کر آئے اُس کو ڈاکیر اور پوسٹ میں کہتے



ہیں لیکن یہ جو اللہ کی طرف سے آتے ہیں ان کی حیثیت وہ نہیں ہے جو کسی ڈاکے کی ہوتی ہے۔ ان کی حیثیت وہ نہیں ہے جو کسی پوسٹ مین کی ہوتی ہے، یہ سفیر الہی ہیں۔

ایک ڈاکہ ہوتا ہے، ایک پوسٹ مین ہوتا ہے اور ایک عہدہ سفارت پر فائز ہوتا ہے تو یہ ڈاکہ/پوسٹ مین اللہ کے سفیر ہوتے ہیں، اللہ کے نمائندے ہوتے ہیں تو جب اللہ کا سفیر ہے، اللہ کے نمائندے ہیں، تو ڈاکہ کو کوئی اپنا اختیار نہیں ہوتا کہ پیغام بچھا دیا اور چلا گیا۔

لیکن جو سفیر بن کر آتا ہے تو جس ملک کا سفیر ہوتا ہے تو وہاں سے اختیارات لے کر آتا ہے..... (صلوات)

اس کو اختیارات دے کر بھیجا جاتا ہے کہ ہماری طرف سے تم بات کر لینا، ہماری طرف سے تم دیکھا کر سکتے ہو کسی معاہدے پر، کیا ڈاکہ کو بھی یہ حق حاصل ہے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ڈاکہ نہیں ہے، پوسٹ مین نہیں ہے بلکہ یہ سفیر ہے، یہ حکومت کا نمائندہ ہے، اس کو حقوق حاصل ہیں، اس کو اختیارات حاصل ہیں، تو جس طرح سے دنیا میں ملکوں کے سفیر ہوا کرتے ہیں، تو حکومت کے اختیارات ان کے پاس ہوا کرتے ہیں کیونکہ نمائندے ہوتے ہیں۔

تو جس کی جس ملک میں جتنی طاقت ہوتی ہے، سفیر اتنی ہی قوی ہوتا ہے، سفارت میں اس کی اتنی ہی قوت ہوا کرتی ہے۔ تو یہ دیکھو کہ یہ کس کے سفیر ہیں، یہ دیکھو کہ کس کے نمائندے ہیں۔ یہ اس کے سفیر ہیں جو خالق ہے، یہ اس کے سفیر ہیں جو مالک ہے، یہ اس کے سفیر ہیں جو مژدوں کو زندہ کرتا ہے۔ تو جب یہ اس کے سفیر ہیں تو یہ دنیا کے سامنے ثابت کریں گے کہ ہم اس کے سفیر ہیں کہ وہ خالق ہے تو ہم

کبھی طلق کر کے دکھائیں گے، وہ مالک ہے تو ہم بھی اپنی ملکیت کے اوپر اپنا تصرف ظاہر کر کے دکھائیں گے کہ ہمارے اشارے پر دیکھو سورج پلٹ رہا ہے، ہمارے اشارے پر چاند دو ٹکڑے ہو رہا ہے، ہمارے اشارے پر مرنے والے زندہ ہو رہے ہیں۔

ہم پوسٹ میں نہیں ہیں بلکہ اس کی طرف سے سفیر ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ آپ دیکھیں کہ کہہ دیا گیا کہ صاحبِ ڈاکیہ کی تعظیم تھوڑی ہوتی ہے۔ لہذا یہ پوسٹ میں کی حیثیت رکھتے ہیں، پیغام لے کر آئے ہیں۔ اس بات سے بچوں اور جوانوں کا ذہن بہک جاتا ہے کہ صحیح بات تو کہ ڈاکیہ کی کوئی عزت کرنا ہے؟

تو میں عرض کروں کہ ہاں بات بالکل صحیح ہے کہ پوسٹ میں کی تعظیم نہیں ہوتی ہے۔ ڈاکیہ کی تعظیم نہیں ہوتی ہے، پیغامبر کی تعظیم نہیں ہوتی، پیغام کی تعظیم ہوتی ہے پیغام لانے والے کی تعظیم نہیں ہوتی۔

لیکن کوئی پیغامبر پیغام لے کر آیا، ہم نے وہ پیغام کھولا، پیغام میں لکھا ہوا تھا کہ یہ دیکھو یہ پیغام لانے والا کوئی عام آدمی نہیں بلکہ میرا محبوب ہے، یہ سید و سردار ہے، یہ وہ ہے جو طیب و طاہر ہے، یہ وہ ہے جو پاک و پاکیزہ ہے، یہ وہ ہے کہ جس کی وجہ سے ہم نے پوری کائنات کو خلق کیا ہے، تو اب صرف پیغام کی تعظیم نہیں ہوگی بلکہ پیغامبر کی بھی ویسی تعظیم ہوگی۔

یہ معاذ اللہ پوسٹ میں اور ڈاکیہ کی حیثیت نہیں ہے ان کی، یہ سفیر ہیں، اس لیے جب جنابِ عیسیٰ تعریف لائے تو جنابِ عیسیٰ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری طرف نبیٰ بنا کر بھیجا گیا ہے، رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، اور مجھے آیات دیں ہیں۔ مجھے نشانیاں اس نے دی ہیں، مجھے معجزات دیئے ہیں۔ ڈاکیہ مجھ سے نہیں دکھاتا، ڈاکیہ نشانیاں نہیں دکھاتا، ڈاکیہ اپنے ثبوت نہیں پیش کرتا، ہاں جو سفیر ہوتا ہے وہ اسطرح

سفارت پیش کرتا ہے کہ دیکھو یہ اسٹامپسٹاٹ ہیں کہ ہم اس حکومت کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے ہیں۔ تو کیونکہ یہ سفیر تھے تو انہوں کے طور پر اسٹامپسٹاٹ سفارت عطا کی گئی ہیں۔

اگر وہ خالق ہے، خلق کرنے والا، وہ پیدا کرنے والا ہے تو ہم سفیر ہیں، ہم بھی جنہیں خلق کر کے دکھائیں گے۔

نہیں نہیں، یہ نہ کیسے کہ کوئی شرک ہو گیا، خالق تو اللہ ہے۔ قرآن ارشاد کر رہا ہے، جب جناب صلیٰ شریف لائے تو کہا: ”میں تمہاری طرف آیا ہوں اللہ کا نمائندہ بن کر۔“

اَنۡتَیۡ اَخْلَقۡتَ لَکُمۡ مِّنَ الطَّیۡنِ کَھٰیئَۃَ الطَّیۡرِ (آل عمران: ۴۹)

”میں ایک بشر کو بنا رہا ہوں مٹی سے۔“

تو خلق کا لفظ اور جو مٹی کا لفظ اللہ اپنے لیے استعمال کر رہا ہے، وہی جناب صلیٰ قرآن میں اپنے لیے استعمال کر رہے ہیں کہ میں خلق بھی کر رہا ہوں اور مٹی سے خلق کر کے دکھا رہا ہوں کیونکہ اس خالق کا نمائندہ ہوں۔

دیکھ لو کہ مجھ میں وہ صفت موجود ہے یا نہیں؟

فَاَنۡتَ لِمۡ فِیۡہِ فِیۡکُوۡنَ طَیۡرًاؕ بِاِذۡنِ اللّٰہِ (آل عمران: ۴۹)

عجیب جملے ہیں۔ اگر دیکھا جائے وہابی مسلک کے لحاظ سے تو پوری آیت شرک ہے۔۔۔۔۔ (صلوٰۃ)

جناب صلیٰ فرما رہے ہیں کہ میں خلق کرتا ہوں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں خلق کرتا ہوں بشر کو مٹی سے، اور جناب صلیٰ فرما رہے ہیں کہ میں خلق کرتا ہوں مٹی سے۔ شرک ہوا کہ نہیں؟

لَا تَقْنَمُ فِيْهِوْ فَيَكُوْنُ طَيِّدًا ۝ بِإِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران: ۳۹)

”میں اس میں پھونک ماروں گا تو وہ پرندہ بن کر اڑ جائے گا“

یہی جملہ اللہ نے جناب آدم کے لیے استعمال کیے:

فَاِذَا مَوْتُكُمۡ وَ نَفَخْتُ فِيْهِوْ مِنْ رُّوْحِيْ (سورہ حجر: ۲۹)

”اے! جب میں اس میں اپنی روح پھونکوں گا تو یہ آدم زندہ

ہو جائیں گے۔“

تو جو جملہ اللہ اپنے لیے استعمال کر رہا ہے وہی سفیر الہی اپنے لیے استعمال کر

رہا ہے۔

وَاُتِرِیْ الْاَكْمَةَ وَالْاَبْرَصَ (آل عمران: ۳۹)

”اور میں وہ ہوں جو شفاء دوں گا۔“

کہا جاتا ہے کہ کسی اور سے شفاء طلب نہ کرو، سوائے اللہ کے لیکن قرآن اعلان کر رہا ہے کہ جناب عیسیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں جو مبروص ہوں اُن کو شفاء دیتا ہوں اور اندھوں کو بینائی عطا کرتا ہوں۔ وَ اُنْخِي الْمَوْتٰی

ایک غیر اللہ کہہ رہا ہے، اور سب چیزوں کی نسبت اپنی طرف دے رہا ہے۔ میں خلق کرتا ہوں، میں زندہ کرتا ہوں، میں مریضوں کو شفاء دیتا ہوں، میں جو مبروص ہیں ان کو شفاء دیتا ہوں، جو غلط ہیں ان کو بینائی دیتا ہوں، میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

مگر ہر ایک کے ساتھ یہ جملہ لگا ہوا ہے بِإِذْنِ اللّٰهِ اپنی طرف سے نہیں کیونکہ سفیر ہوں اس کا، تو اس کی طرف سے ہے۔ اللہ کی اجازت سے، اللہ کی طرف سے سارے کام کر رہا ہوں۔

تو ہم کب کہتے ہیں کہ رسولؐ اپنی طرف سے قضاوت کریں گے بلکہ میدانِ حشر میں جو قضاوت ہوگی وہ اللہ کی اجازت سے ہوگی..... (صلوٰۃ)

وَأَخِي الْمَوْثِقُ (آل عمران: ۴۹)

”میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں“ مگر بِإِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے اذن سے۔

اب اسی آیت کے ذیل میں ابھی آپ کے سامنے عرض کروں کہ جس کو میں عنوانِ کلام بیان کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاحِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَكَأَيُّهَا إِلَى اللّٰهِ يَاجُزِيهِ

”میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے اذن سے“ عجیب فرق ہے دوسرے انبیاءؑ میں اور ہمارے آخری رسولؐ میں۔ اوے جہاں جو جملہ کہنا جنابِ صلی نے، ساتھ بِإِذْنِ اللّٰهِ لگا ہوا؟

میں طلق کرتا ہوں اللہ کے اذن سے، میں پھونکتا ہوں اللہ کے اذن سے، میں بیٹائی دیتا ہوں اللہ کے اذن سے، میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اللہ کے اذن سے۔

ہر جملہ کے بعد اذنِ اللہ لگا ہوا، لیکن پہلے قرآن میں صرف ایک مرتبہ رسولؐ کے لیے آیا کہ ”ہم نے ان کو اجازت دے دی“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نئی کو ہر کام کے لیے بار بار اجازت مانگنا پڑ رہی تھی۔ پالنے والے اجازت ہے یا نہیں، پالنے والے اجازت ہے یا نہیں۔

لیکن جب اس رسولؐ کو بھیجا تو کبھی اجازت دے کر بھیجا کہ ساری اجازت

تجھے پہلے اس لیے دے رہا ہوں کہ تجھے بار بار اہانت مانگنے کی ضرورت نہیں۔
ارے! جب دل چاہے سورج کو پلٹا دینا، چاند کے دو ٹکڑے کر دینا، مردے
کو زندہ کر دینا، پتھروں سے فصیح پڑھوا دینا..... (صلوٰۃ)

کیونکہ شرک بت بنا کر ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ
اس بت کو توڑ دیں..... (صلوٰۃ)

یہ قرآن کی آیتیں نہیں ہیں جو پیش کر رہا ہوں بلکہ یہ ہتھوڑے ہیں شرک کے
بت کو توڑنے کے لیے۔

ایک اور آیت پیش کر دوں آپ کے سامنے، اگر ہم مسلک وہابیت کو قبول
کر لیں تو پوری آیت شرک پر مبنی ہے۔

جناب یعقوبؑ جب ان کو پوچھ چل گیا کہ جناب یوسفؑ سلطنت مصر پر ہیں
اور اس کے بعد پوری ملاقات ہوئی تو واپس جناب یعقوبؑ کے پاس آئے:
قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا (سورہ یوسف: ۹۷)

”اے میرے باپ! ہمارے لیے مغفرت کی دعا مانگیں، کیونکہ ہم
بڑے گناہگار ہیں۔“

تب حضرت یعقوبؑ کو فوراً کہنا چاہیے تھا کہ شرک کر رہے ہو، کیونکہ مجھ کو
دعا میں وسیلہ ہمارے ہو۔

کہہ رہے ہیں: بابا! آپ ہمارے لیے مغفرت کی دعا مانگتے تو جناب یعقوبؑ
کو ارشاد فرمایا:

سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ (سورہ یوسف: ۹۸)

”ہاں! معذرت میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا مانگوں گا۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب یعقوبؑ سے مغفرت کی دعا طلب کی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹوں نے باپ کو وسیلہ بنایا۔ جو گناہ گار بیٹے ہیں انہی نے باپ کو مغفرت کا وسیلہ بنایا۔ اگر وسیلہ بنانا شرک ہے تو پھر قرآن شرک کی تبلیغ خود کر رہا ہے۔

کیونکہ اگر یہ شرک ہوتا تو جناب یعقوبؑ فوراً ان کی تکذیب کر دیتے کہ براہ راست مانگو مجھے وسیلہ نہ بناؤ، پھر قرآن بھی مذمت کرتا کہ انھوں نے ایک گناہ کا اور اضافہ کر لیا۔

یوسفؑ کو جہاں اذیت پہنچائی تھی وہاں مشرک بھی ہو گئے۔ لیکن جناب یعقوبؑ کا قبول کرنا اور قرآن میں اس کا تذکرہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ دعاؤں میں انبیاءؑ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔

اچھا! جب یہ آیت پیش کی گئی تو کہا گیا کہ ارے اودہ تو بہت پرانی بات ہے، یعنی پرانے زمانے میں شرک ہو سکتا تھا، آج نہیں ہو سکتا۔

کہتے ہیں کہ وہ جناب یعقوبؑ کی بات تھی، یہ بتائیے کہ رسولؐ کے زمانے میں ہوا کہ نہیں ہوا۔ تو مجھے یہ بتا دیجیے کہ توحید کبھی بدلی؟ کیا عقیدے میں کبھی کوئی فرق ہوا۔

آپ دیکھیں کہ شریعتوں میں تبدیلیاں ہوتی ہیں، مگر عقیدوں میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پوری تاریخ انبیاءؑ کی اٹھا کر آپ دیکھ لیں۔ عقیدوں میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ اصول میں تبدیلیاں نہیں ہوتی ہیں۔ فروع میں تبدیلیاں ہوتی ہیں، شریعت میں تبدیلیاں کچھ نہ کچھ ہوتی ہیں مگر عقائد میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

یہ نہیں کہ آدمؑ کوئی توحید لے کر آئے ہوں اور جناب نوحؑ کوئی اور لے

آئے ہوں اور جناب ابراہیمؑ نے کچھ اور فرق کر دیا ہو۔ یعنی یہ نہیں کہ درجہ بدرجہ توحید میں کوئی ترقی ہوئی ہو کہ پہلے دو خدا تھے، بعد میں گھٹ کر ڈیڑھ ہوئے، آخر میں ایک ہوا۔

نہیں نہیں! توحید میں کوئی فرق نہیں ہے، جو چیز پہلے حالات توحید تھی، جو شرک جناب آدمؑ کے زمانے میں تھا، وہ جناب قائمؑ کے زمانے میں بھی وہی شرک تھا۔ تو یہ بات نہ کہیے کہ یعقوبؑ کے زمانے میں اور رسولؐ کے زمانے میں بڑا فرق ہے۔ جو اس زمانہ میں شرک تھا وہ اس زمانہ رسالت میں بھی شرک ہے۔

تو مجھے بتائیے کہ قرآن نے اس کی تصدیق کیوں کی، خود زمانہ رسالت مآبؐ کی تصدیق، قرآن مجید کر رہا ہے۔ سورہ نساءؑ کی آیت ۶۳ دیکھ لیجئے۔ اس میں اعلان ہو رہا ہے، گناہگاروں سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ

ارے! جب انہوں نے گناہ کیے تو کاش اے رسولؐ! تمہارے پاس آ جاتے اور یہ اللہ سے مغفرت مانگتے اور تمہارے ذریعہ سے بھی اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ کو بڑا ثواب و رحیم پاتے۔

مجھے یہ بتائیے کہ یہ قرآن زمانہ رسالت میں شرک کی تعلیم دے رہا ہے۔ اگر مغفرت ہی مانگتا ہے تو رسولؐ کی خدمت میں آؤ، خود بھی اللہ سے مغفرت طلب کرو اور رسولؐ کو بھی وسیلہ بنا لو، جب اللہ کو ثواب و رحیم پاؤ گے۔ (مسئلہ اول)

فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ وَاللَّهُ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمُ الرَّسُولُ ۖ فَاغْفِرُوا ۚ وَاللَّهُ

تَوَّابٌ رَحِيمٌ ۝ (سورہ نساء: ۶۴)

”کاش جنہوں نے گناہ کیا تھا تو یہ رسولؐ کے پاس آ جاتے اور

اللہ سے بھی مغفرت طلب کرتے اور رسولؐ کے ذریعہ سے بھی۔

یعنی خالق اللہ سے براہ راست مغفرت طلب نہ کرو بلکہ رسولؐ کو وسیلہ بناؤ۔ رسولؐ کو بھی اگر یہ وسیلہ ملے تو اللہ کو تواب و رحیم پاتے، یعنی اس وقت تک اللہ تواب و رحیم نہیں ہے جب تک کہ تم رسولؐ کو وسیلہ نہ بناؤ اور جب یہ آیت پیش کی گئی تو کہا گیا کہ ارے! جب ارعہ ہے رسولؐ کی بات ہے۔

اب بھی سے مسئلہ حیات الہی شروع ہو جاتا ہے کہ جہاں پر وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہاں قرآن کی آیت ہے، ہم جہاں نہیں سکتے، ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ پہلے تو مکمل انکار، وسیلہ بھی نہیں سکتے، شرک ہے، بدعت ہے، شرک ہے، وہ واجب اہل ہے اگر کسی اور کو وسیلہ بتایا۔ براہ راست اللہ سے مانگو۔

جب قرآن کی آیات پیش کی گئیں۔ پہلی آیت جناب یعقوبؑ کے لیے تو یہاں بتایا گیا کہ پرانی بات ہے اور زمانہ رسالت کی آیت پیش کی گئی تو کہا گیا: ارے اودہ تو دعویٰ کا معاملہ تواب تو سرخسے۔ معاذ اللہ علی میں مل گئے، اب کیوں پکار رہے ہو؟

تو بھی سے مسئلہ حیات نئی شروع ہوتا ہے۔ مجھے اتنا بتا دیجیے کہ آج ہمیں جو نعمتیں مل رہی ہیں کس کے فضل؟ وہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں ساری رحمتیں ان کے فضل میں ہیں۔ یہ سورج جو چمک رہا ہے، یہ ان کے فضل میں ہے، یہ سورج کی روشنی ہمیں مل رہی ہے، یہ ان کے فضل میں رہی ہے، یہ چاند کی جو روشنی ہے یہ ان کے فضل ہے، یہ زمین پر جو سبزہ اگ رہا ہے یہ ان کے فضل ہے۔

اور محمدؐ ایک نہیں چھوڑا ہیں۔ اسی لیے میں صرف لفظ محمدؐ استعمال کر رہا ہوں اپنے اس عقیدے کے تحت کہ:

اَوَّلَنَا مُحَمَّدًا وَاَوْسَطَنَا مُحَمَّدًا وَاٰخِرَنَا مُحَمَّدًا وَكَلَّنَا مُحَمَّدًا

یہ سب کے سب محمد ہیں، اسی لیے میں صرف ایک نام استعمال کر رہا ہوں کہ یہ نام وہ ہے جس کے مصداق چودہ ہیں۔

یہ جتنی نعمتیں تقسیم ہو رہی ہیں، خود چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رحیم وہ ہے، رحمن وہ ہے، مگر اس کی رحمتیں ہمارے ذریعہ سے تقسیم ہوتی ہیں۔ ہم اس کا وہ کھلا ہوا ہاتھ ہیں کہ جن کے ذریعے سے وہ اپنی رحمتیں بانٹتا ہے۔

تو اس کا مطلب ہے کہ محمد و آل محمد وہ ہیں کہ جن کے ذریعے سے دنیا کو نعمتیں ملتی ہیں۔ ہمارا رسولؐ وہ ہے جو نعمتوں کو تقسیم کر رہا ہے، جو سورج کی روشنی مل رہی ہے تو اسی کے طفیل میں، جو چاند کی چاندنی مل رہی ہے تو اسی کے طفیل میں، جو ہبزہ آگ رہا ہے وہ اسی کے طفیل میں، جو ستارے چمک رہے ہیں وہ اسی کے طفیل میں، جو زمین سے غلہ آگ رہا ہے وہ اسی کے طفیل میں۔

تو وہ اپنی نعمتیں ان کے ذریعہ سے تقسیم کر رہا ہے، بانٹ رہا ہے ان کے ذریعہ سے، تو یاد رکھئے کہ بانٹنے والے کے لیے دو شرطیں ہوتی ہیں: تقسیم کرنے والے کے لیے دو شرطیں ہوتی ہیں:

ایک تو یہ کہ وہ زندہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ جو چیز تقسیم کر رہا ہو، وہ اس کی ملکیت میں ہو، اس پر اس کا اختیار ہو۔ تو جب ساری نعمتیں رسول تقسیم کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ”جب تک یہ نعمتیں دنیا میں باقی ہیں وہ تقسیم کرنے والا بھی باقی ہے۔“

ایک اور دلیل دے رہا ہوں اور وہ دلیل یہ ہے کہ ہر مسلمان مانتا ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے، چاہے وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتا ہو، کہ یہ قرآن مجروح ہے۔

تو اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا مجدد سوسال پہلے مجروح تھا آج نہیں؟
 سب مسلمان کہیں گے کہ بھی آج بھی مجروح ہے، اگر کوئی انکار کر دے تو
 مسلمان نہیں رہتا۔ چوداں سال پہلے مجروح، آج بھی مجروح اور قیامت تک کے لیے
 مجروح ہے۔

اور جو یہ عقیدہ نہ رکھے وہ مسلمان نہیں رہتا۔ تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ
 قرآن مجید مجروح تھا، مجروح ہے اور رہے گا۔

ہر مسلک کے عالم نے یہ بات غریب کی کہ مجروح کے لیے ایک شرط ہے، وہ شرط
 یہ ہے کہ جس نئی کو وہ مجروح دیا گیا ہے وہ اپنے مجروح کے ساتھ ساتھ موجود ہے۔ کسی
 عالم کی کتاب، کسی فرقہ کی کتاب دیکھ لیجئے جہاں جہاں اس نے قرآن کے اعجاز کا
 تذکرہ کیا ہے وہاں یہ شرط لکھی ہے کہ جس نئی کو وہ مجروح دیا گیا ہے وہ نئی اس مجروح
 کے ساتھ ساتھ موجود رہے۔

اور اگر وہ شے جو بطور اعجاز دی گئی ہے وہ موجود ہے دنیا میں مگر ظاہری طور پر
 نئی موجود نہیں ہے تو پھر وہ شے مجروح نہیں رہتی۔ پھر اس کے اعجاز کی حیثیت ختم ہو جاتی
 ہے۔ پھر وہ چیز مجروح نہیں رہتی، اس کے لیے کئی مثالیں دی جاتی ہیں جیسے جناب
 سلیمان کا تخت، اس کا اعجاز یہ تھا کہ جب آپ تشریف فرما ہوتے تھے تو وہ ہوا میں
 اڑتا تھا۔ اس کے بعد روایت کتنی ہے کہ جناب سلیمان دنیا سے رخصت ہوئے، وہ
 تخت موجود تھا، مگر پھر ہوا میں نہیں اڑا، تخت تو وہی ہے۔

تایا جاتا ہے کہ کیونکہ وہ رسول نہیں رہا، نبی نہیں رہا، تخت موجود ہے مگر مجروح
 نہیں۔ اسی طرح سے جناب موسیٰ کا عصا، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ جب زمین پر
 ڈالتے تھے تو وہ سانپ اور اڑدھان بن جاتا تھا اور جب آرام کرنے کے لیے پلٹتے تھے

تو سایہ دار درخت میں جاتا تھا مگر کب تک؟ جب تک جناب موسیٰ کی ظاہری حیات رہی۔ جب جناب موسیٰ دنیا سے رخصت ہو گئے تو روایت کتنی ہے کہ تین سو برس تک یہ مصابی اسرائیل میں تھا مگر یہ اڑواہا، نہ سایہ دار درخت بنا کیونکہ وہ دستِ موسیٰ نہیں رہا کہ جس کو بطور مجروحہ دیا گیا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مجروحہ کے ساتھ یہ شرط ہے کہ جس نئی کو وہ مجروحہ دیا گیا ہے وہ نئی اس مجروحہ کے ساتھ ساتھ موجود ہو۔

تو اب پھر میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے بتائیے کہ قرآن مجید مجروحہ ہے یا نہیں؟ ہر مسلمان کہے گا کہ مجروحہ ہے، قیامت تک مجروحہ رہے گا۔ اگر نہیں مانتا تو مسلمان نہیں، تو میں پوچھوں گا کہ آپ ہی کے سارے علماء تحریر کر رہے ہیں کہ مجروحے کے لیے شرط یہ ہے کہ جس نئی کو وہ مجروحہ دیا گیا ہے وہ نئی اس مجروحے کے ساتھ ساتھ موجود رہے تو مجھے اتنا بتادیجیے کہ قرآن تو موجود ہے، وہ نئی کہاں ہے کہ جن کو بطور مجروحہ یہ قرآن دیا گیا ہے۔

تو اس قرآن کریم کو ہم مجروحہ کیسے مانیں، تو صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ جس کی وجہ سے قرآن کا اعجاز کچھ سکتا ہے۔ قرآن کا اعجاز محفوظ رہ سکتا ہے اور اگر قرآن کا اعجاز محفوظ ہوا تو آپ کا اسلام بھی محفوظ ہوا۔ کیونکہ شرط یہ ہے کہ جو چیز بطور مجروحہ دی گئی ہے وہ نئی ساتھ ساتھ موجود رہے تو قرآن تو ہے مگر وہ نئی کہاں ہے کہ جن کو یہ قرآن دیا گیا۔

یا تو یہ ملے کہ اس نئی کی ظاہری حیات ابھی ہے، وہ نئی ابھی موجود ہے، ورنہ پھر قرآن مجروحہ نہیں رہے گا۔

اس نئی کی زندگی کو ملے، اس نئی کی حیات کو تسلیم کیجیے، اگر اس کو نہیں مانتا

چاہتے تو پھر دوسری بات ماننا پڑے گی کہ قیامت تک کوئی نبی نہ ہو محمد جیسا موجود رہے گا، جو احجاز قرآن کی حفاظت کرتا رہے گا۔

کہا جاتا ہے کہ رسول دنیا سے رخصت ہو گئے، معاذ اللہ مٹی میں مل گئے۔ اب ان کو نہ پکارو۔ اب ان کو آواز نہ دو۔ اب جو تم جا رہے ہو قبر شریف پر، تو اب تم مُردے کو آواز دے رہے ہو، اب تم مٹی کو آواز دے رہے ہو، جو نہ تمہارا کوئی جواب دے سکتا ہے، نہ تمہاری مدد کر سکتا ہے، نہ تمہاری آزمائش سن سکتا ہے، نہ تمہارے سلام کا جواب دے سکتا ہے۔

تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر رسول کو معاذ اللہ مُردہ سمجھ لیا، اگر رسول کو مٹی سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ پھر تمہیں اپنی آراءؤں کو بدلنا پڑے گا۔ اگر رسول مُردہ ہے، اگر معاذ اللہ قیامت ہو گئے ہیں تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مُردہ مان رہے ہو، اگر مٹی مان رہے ہو تو پھر اذان کو بدل لو۔

مجھے اتنا بتا دیجیے کہ جو مُردہ اس کے لیے کیا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جو زندہ ہے اس کے لیے کیا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مرحوم بڑے اچھے تھے، غالب بڑے اچھے شاعر تھے، اقبال بڑے شاعر تھے۔

یہ ”تھے“ کیوں استعمال ہو رہا ہے، اس لیے کہ نہیں ہیں کیونکہ موجود نہیں ہیں کیونکہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، کیونکہ مُردہ ہیں۔ اس لیے ”تھے“ استعمال ہو رہا ہے اور کوئی شاعر اگر موجود ہو تو ان کے لیے اگر کہہ دیں کہ بڑے اچھے شاعر تھے تو ظاہر ہے کہ وہ بگڑ جائیں گے۔

تو جو مر جائے اس کے لیے استعمال ہوتا ہے ”تھے“ اور جو زندہ ہو اس کے لیے استعمال ہوتا ہے ”ہیں“۔ ”تھے“ اس بات کا ثبوت ہے کہ تھے، اب موجود

نہیں اور ”ہیں“ اس بات کا ثبوت کہ موجود ہیں، زعمہ ہیں۔

تو مجھے بتاؤ کہ اذان میں کیا کیا جاتا ہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

اور اس کے بعد ہم گواہی دیتے ہیں:

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

”ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

اس کا مطلب ہے کہ یہ پانچ وقت اذانیں نہیں ہیں بلکہ حیاتِ محمد کی ہر

مسلمان دن میں پانچ بار گواہی دیتا ہے۔۔۔ (صلوات)

قرآن کہہ رہا ہے:

لَا تَخْسِئَنَّ الذِّنِينَ قَوْلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْفُسَنَا (آل

عمران: ۱۶۹)

”جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں ان کو نرہ نہ سمجھنا۔“

تو مجھے بتا دیجیے کہ جس کے بتائے ہوئے راستے پر اگر کوئی چلے تو ہمیشہ کی

زندگی مل جائے تو کیا راستہ بتانے والا خود مر جائے گا۔۔۔ (صلوات)

جس کے بتائے ہوئے راستے پر مل کر ہمیشہ کی زندگی مل رہی ہے، جس کی

بات مان کر تم ہمیشہ کے لیے زعمہ رہ سکتے ہو، تو کیا خدا اسے موت دے دے گا، کیا

خدا اسے حیات نہیں دے گا؟

ذکرِ مصائب



ہاں شہداء کا تذکرہ آگیا تو تاریخ بھری کے جو عظیم ترین شہید ہیں۔ شہداء میں درجات ہیں۔ عیناً اسلام کے لیے بہت سے لوگوں نے جانیں قربان کیں، ان کی شہادت ہمارے سر آگھوں پر، جنگ ہار میں بھی شہید ہوئے مسلمان، جنگ اُحد میں بھی شہادتیں ہوئیں اور مقام پر بھی شہادتیں ہیں لیکن درجات ہیں۔ ہر چیز میں درجات ہیں تو شہادت کے بھی درجات ہیں۔

اور سب سے عظیم درجہ جو ہے وہ کربلا والوں کا ہے۔ کیونکہ شہادت کے ساتھ جتنی مصیبتیں ہوتی جاتی ہیں اتنی ہی شہادت کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ صرف گردن قلم ہوگئی شہید ہے مگر درجہ کم ہے لیکن اگر زخم لگایا گیا اسے، اگر تیروں، تلواریں کے زخم کھا کر دنیا سے رخصت ہوا تو اب شہادت کا درجہ بڑھ جائے گا کیونکہ اس کی تکلیفوں میں اضافہ آیا ہے۔

لہذا اب اس کی شہادت کا درجہ بلند ہے، اور اگر بھوکا پیاسا ہو، اور اس کے ساتھ پھر وہ شہادت کا درجہ حاصل کرے تو شہادت کا درجہ اور بڑھ جائے گا۔ تو کربلا کے شہید وہ ہیں جو تین دن کے بھوکے پیاسے۔

آجے ایک تذکرہ کرتے ہیں ایسی شخصیت کا تذکرہ ہے جس کے لیے روایت کہتی ہے کہ کربلا سے پہلے وہ امام حسینؑ کے ساتھ نہ تھے، بلکہ ان کا شمار مخالفوں میں ہوتا تھا۔ مولاؑ کے ساتھ نہیں تھے، امام حسنؑ کے ساتھ نہیں تھے، کربلا سے کچھ پہلے تک امام حسینؑ کے ساتھ بھی نہیں تھے۔

جس وقت امام حسینؑ نے حج کو عمرے میں تبدیل کیا اور اس کے بعد مکہ سے رخ کیا کربلا کا، تو کیونکہ امام حسینؑ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، وہاں تھیں، لہذا قافلے کی رفتار کچھ دہسی تھی اور زہیر بن قین جب حج مکمل کر کے چلے تو

کیونکہ ان کے قافلے کی تعداد کم تھی لہذا یہ حیرت آری سے چل رہے تھے تو دیکھا کہ ایک قافلہ آگے آگے جا رہا ہے۔

پوچھا: یہ کس کا قافلہ ہے؟ معلوم ہوا کہ یہ نواسہ رسول امام حسینؑ کا قافلہ

ہے۔

انہوں نے اپنے نوکروں سے کہا، اپنے غلاموں سے کہا: دیکھو! ایک بات کی احتیاط رکنا، میں نہیں چاہتا کہ نواسہ رسولؐ سے میری ملاقات ہو، لہذا کہیں بھی خیمے لگانا تو قافلہ حسینیؑ سے دور لگانا۔

اب روایت کہتی ہے کہ اسی طرح سے چل رہے تھے قافلے دونوں۔ آگے آگے آقا حسینؑ کا قافلہ ہے، لیکن جب بھی کہیں قافلہ رکنا تھا تو یہ اپنے خیمے دور نصب کر داتا تھا۔ لیکن کربلا سے کچھ پہلے ایک جگہ ایسی تھی جو تنگ تھی، وہاں زیادہ گنجائش نہ تھی لہذا وہیں امام حسینؑ نے اپنے خیمے نصب کر دئے اور مجبوراً زہیر کے خادموں نے بھی ان کے قریب خیمے نصب کیے۔ یہ اپنے خیمے کے اندر موجود تھے کہ اچانک دروازے پر کسی نے آواز دی۔ جناب زہیر باہر نکلے تو دیکھا تو سامنے جناب علی اکبرؑ ہیں۔

شہزادے آپؑ نے کیسے رحمت کی۔

کہا: اے زہیر! بابائے آپؑ کو بلایا ہے۔

واپس خیمے کے اندر آئے، زہیر نے پوچھا: اے زہیر! کیا بات ہے، کون

تھا؟

کہا: عہدہ رسولؐ علی اکبرؑ تھے۔

کہا: کاہے کے لیے آئے تھے؟

کہا کہ مجھے امام حسینؑ نے بلایا ہے۔

زوجہ نے کہا: اے زہیر! تمہیں شرم نہیں آتی، لو اسہ رسولؐ تمہیں بات کرنے کے لیے بلا رہے ہیں اور تم اس طرح سے بہانے بازیاں کر رہے ہو، جاؤ دیکھو کہ لو اسہ رسولؐ کہہ کیا رہے ہیں؟

جناب زہیر گئے، کچھ بات ہوئی، کچھ گفتگو ہوئی مگر جب چلے تو کردار بدلا ہوا تھا، انداز بدلا ہوا تھا۔ آتے ہی یہ کہا کہ میں نے تجھے آزاد کیا، اپنے تمام غلاموں اور عزیزوں سے کہا کہ جاؤ میں نے تمہیں آزاد کیا۔

بہت بڑے تاجر تھے، بڑی دولت تھی ان کے پاس۔ فرمایا: میری ساری دولت آپس میں بانٹ لو۔

یہی زہیر قین ہیں کہ جو شب عاشور کہ جب امام حسینؑ نے چراغ بجھایا اور فرمایا کہ میں اپنی بیعت تم سے اٹھاتا ہوں، تم سب مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ، یہ میرے دشمن ہیں تمہارے نہیں، لہذا کوئی تمہیں روکے گا نہیں تو سب سے پہلے جناب زہیر قین کھڑے ہوئے۔

اے آقا! یہ کیا فرما دیا، آپؐ کو چھوڑ کر چلے جائیں؟ اتنا تاویجی کہ اگر میدانِ حشر میں رسولؐ کی بیٹی نے ہم سے پوچھ لیا کہ میرے لال حسینؑ کو دشمنوں کے زرنے میں تھاکیں چھوڑ آئے تو ہم جواب کیا دیں گے؟

اے آقا! یہ ایک ہزار دینار کی تلواریں، جب تک دم رہے گا، تلواریں سے آپؐ کی نصرت کروں گا، آپؐ کی مدد کروں گا، دشمنوں پر حملہ کروں گا، جب تلوار اٹھانے کی طاقت نہیں رہے گی تو نیزے سے مقابلہ کروں گا اور جب نیزہ نہیں اٹھا سکوں گا تو پتھر اٹھا اٹھا کر ماروں گا۔ مگر آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔

اے آقا! ایک زندگی کیا ہے ستر زندگیاں مل جائیں تو ساری زندگیاں آپ پر نچھاور ہیں۔ اگر مرنے کے بعد، قتل ہونے کے بعد میری لاش جل کر راکھ کر دی جائے، اور راکھ کو فضا میں بکھیر دیا جائے اور دوبارہ اگر زندہ کیا جائے تو پھر بھی آپ ہی پر جان دوں گا اور جب صبح عاشور نمودار ہوئی، جب پہنچے ہیں میدان جنگ میں تو اتنے بہادر تھے کہ کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، کوئی سامنے نہیں آ رہا تھا۔

تاریخ کہتی ہے کہ اپنی زہر آتار کر پھینک دی اور صرف ایک گرتہ پہنچے ہوئے کہ اب تو مقابلہ کے لیے آجاؤ مگر پھر بھی کوئی مقابلے کے لیے نہیں آیا۔ تو پھر پھر سعد نے کہا کہ ان کو چاروں طرف سے گھیر کر ان پر تیر برسائے جائیں۔ اتنے تیر برسائے گئے کہ زخمی ہو کر زمین پر گرے، آقا کو آواز دی:

اے آقا! غلام کی خبر لیجیے۔ حسین دوڑتے ہوئے پہنچے۔ زہیر کا سراپے زانو پہ رکھا، جان ثار نے آقا کی گود میں دم توڑ دیا۔

مجلس ششم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

-* ہمارے مسلک کو بھی ہمارے فرقہ کو بھی کافر کہا جاتا ہے
-* کیا ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کو بتائیں؟
-* حق کی طرف بلاؤ، سچائی کی طرف بلاؤ مگر حکمت کے ذریعے سے
-* ہم نے ان کو وسیلہ بتایا، لہذا ویسے سے کبھی انکار نہ کرنا
-* اگر ہم یہ عقیدہ رکھ لیں کہ نبی وہ ہے جو بھول جایا کرتا تھا
-* اے اللہ کے رسول! آپؐ نے عشاء کی نماز دو رکعت کیوں پڑھائی؟
-* تصور رسالت کو اگر سمجھنا ہو تو ان کے ذریعہ سے سمجھو۔

ذکر مصائب

-* جناب علی اکبرؑ کی شہادت
-* اہل حرم سے رخصتی

مجلسِ ششم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ○
وَإِذْ أَعْيَا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ○ (سورة الاحزاب

(۴۶-۴۵)

موضوع تھوڑا سا خشک ہے لیکن بے انتہا مفید ہے کیونکہ دو سو سال سے جو مسلمانوں میں قتل و غارت گری ہے آپس میں۔ اخلاقی موضوع تو ہے مگر مجبورا اصلاح کی خاطر بیان تو کرنا ہے۔

میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جن بنیادوں کے اوپر ہمارے مسلک کو بھی، ہمارے فرقہ کو بھی کافر کہا جاتا ہے، مشرک کہا جاتا ہے بلکہ سارے مسلمانوں کو کہا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی فتویٰ ہے کہ ان کا قتل واجب ہے، تو یہ جتنے فرقہ بنے ہیں اسلام میں اختلاف پھیلانے کے لیے، آپ کوئی بھی اپنا مسلک رکھ سکتے ہیں، لیکن آپ کو یہ کہنے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ اگر میری بات نہیں مانو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔

چلو! آپ کے فتوے کے لحاظ سے سارے مسلمان کافر صحیح تو جب اللہ نے

ان کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے، جو خالق ہے، مالک ہے، تو آپ کون ہیں جو یہ حق چھیننے والے ہیں؟ آپ کون ہیں فتویٰ دینے والے کہ فلاں کی گردن کاٹ دی جائے، ان کو ختم کر دیا جائے، ان کو مٹا دیا جائے، اسی لیے کیوں اس وقت عراق اور افغانستان میں اور پاکستان میں اور دوسرے مقامات پر، امریکن بمباری سے اسلحے مسلمان نہیں مارے گئے ہیں جتنا آپس میں ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔

اور اس کے بعد نوجوانوں کو بھکایا جاتا ہے، بچوں کو گمراہ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ خواتین کو استعمال کیا جا رہا ہے اس معاملے میں، کہ وہ اپنے اوپر ہم ہاتھ کر وہ آتی ہیں بازاروں میں، اور اس کے بعد خود بھی اپنے کو اڑا لیتی ہیں اور اس کے ساتھ سو، دوسو لوگوں کو اور مار دیا جاتا ہے۔

خود کش بمباری کی وجہ سے چار لاکھ لوگ مر چکے ہیں تو بتائیے کہ ہمارا حق نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ یہ سب غلط ہو رہا ہے، کیا ہماری ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کو بتائیں، یہ صرف بھکایا جا رہا ہے، یہ سازشیں ہیں اسلام کے خلاف، تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں، ایک دوسرے کو خود قتل کر ڈالیں، مار ڈالیں۔

تمام مسلمانوں میں یہی فرقہ بندیوں کی جارہی ہیں، شیعوں میں بھی یہی ہے۔ سازشوں کے تحت طرح طرح کے عقائد پھیلانے جارہے ہیں تاکہ یہ آپس میں لڑنے لگیں اور پھر یہاں بھی یہی بات ہے کہ اگر ہماری بات نہیں مانی تو کفر کا فتویٰ ہے۔ شیعوں میں بھی شروع کر دیا تاکہ یہ بھی آپس میں لڑتے رہیں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ تمام چیزیں ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

ہم غیبتی نے ایک جملہ کہا تھا کہ ”مسلمان اس پر لڑ رہے ہیں ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں یا ہاتھ باندھ کر پڑھیں۔ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں کہ ہاتھ کھول

کر نماز یا ہاتھ باندھ کر نماز مگر جو دشمن ہیں سامنے، اس کی نظر ہاتھوں پر ہے کہ نہ مکمل ہوئے ہاتھ باقی رہیں نہ بندھے ہوئے ہاتھ باقی رہیں۔

تو آپس میں لڑنا کتنی بڑی حماقت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دشمنوں کی سازش کا شکار ہو رہے ہیں، اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ حق پکھانا چاہیے، مگر اس طرح سے نہیں کہ فتنہ و فساد میں اضافہ ہو، فتنہ و فساد بڑھے بلکہ کوشش یہ ہونا چاہیے کہ ہماری بات سے اور ہم جو تقریر کر رہے ہیں اس سے غلط فہمیاں ختم ہوں نہ یہ کہ غلط فہمیوں میں اور اضافہ ہو۔

اگر ہم نے فتنہ و فساد میں اضافہ کیا، ہماری وجہ سے فتنہ و فساد پھیلا تو آپ یاد رکھیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مذہب اہل بیتؑ کو سمجھے ہی نہیں، مقصد اہل بیتؑ سے واقف ہی نہیں، سیرت اہل بیتؑ ہم جانتے ہی نہیں ہیں۔ بیٹھ گئے ہیں نمائندہ اہل بیتؑ بن کر مگر اہل بیتؑ کو ہم پکھانتے ہی نہیں..... (صلوٰۃ)

تو یہ جتنی فرقہ بندیوں ہیں، خود ایران میں بہایت، باہیت، یہ سب شیعوں میں فرقتے پیدا کیے گئے، سب دشمنوں کی جانب سے، اور آج بھی یہ سازشیں جاری و ساری ہیں۔ لہذا اس منبر کا فریضہ یہ ہے کہ ہماری کوشش یہ ہو کہ اختلافات ختم ہوں۔ اگرچہ موضوع اختلافی ہے لیکن پھر بھی اس کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ جو نوجولوں کو، بچوں کو بہکایا جا رہا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف اکسایا جا رہا ہے اور ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ ہو رہے ہیں، وہ باتیں کسی طرح سے ختم نہ ہوں تو کم از کم کچھ حد تک کم تو ہو جائیں۔

چینٹیس چینٹیس ایسے ہیں مختلف زبانوں میں، وہ صرف مصروف ہیں شیعوں کے خلاف پروپیگنڈے کے لیے، اور ہمارا عالم کیا ہے ایک چینٹیل بھی نصیب نہیں ہے کہ

ہم کہنی بات کا جواب دے سکیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم میں غفلت ہے۔ بس وہی آیت لگا ہوں کے سامنے ہے کہ:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (سورہ فصل، آیت ۱۲۵)

دیکھو احق کی طرف بلاؤ، سچائی کی طرف بلاؤ، مگر حکمت کے ذریعے سے بلاؤ، لفاظی کے ذریعہ سے نہیں، لسانی کے ذریعہ سے نہیں، ایسے گفتوں کے ذریعہ سے نہیں کہ اگر بچہ بھی غور کر لے تو ہنسنے لگے اور دیکھو اچھے موقع سے بلاؤ اور کبھی مجادلہ کی نوبت بھی آجائے تو اس میں بھی دیکھو اچھا طریقہ اختیار کرنا تو بہترین طریقہ ہو وہ اختیار کرنا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں طریقہ تبلیغ بتایا جا رہا ہے اور اس کے بعد چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں:

”ہماری باتوں میں اتنا حسن ہے، اتنی کشش ہے کہ اگر تم دوسروں کے سامنے پیش کرو گے تو وہ خود بخود تم تک پہنچ کر آجائیں گے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ہماری طرف ہے ورنہ یہ مذہب اتنا حسین ہے، اتنا خوبصورت مذہب ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ اس کا اثر نہ ہو۔

میں نے کہا کہ اتنی باتیں ہیں کہ سو عشرے بھی اس کے لیے کم ہیں، میں تو چاہتا ہوں کہ جو بالکل بنیادی چیزیں ہیں وہ بیان کر دوں۔

صرف ایک شفاعت جس کو میں نے شروع کیا ہے، یہی موضوع ایسا ہے کہ دو یا تین عشرے اس کے لیے چاہئیں، جو شفاعت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ کوئی شفیع

نہیں ہو سکا، کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہو سکا میدانِ حشر میں، اور اگر شفاعت کا ہم نے عقیدہ رکھا تو پھر یہ کفر ہے، شرک ہے (معاذ اللہ) جب کہ میں نے کہا تھا کہ قرآن میں اٹھائیس آیات ایسی موجود ہیں جو شفاعت ثابت کرتی ہیں۔

تو یہ کہا گیا کہ اگر کوئی شفاعت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہے، وہ شرک ہے۔ جبکہ آپ یاد رکھیں کہ دنیا کی کوئی چیز بھی بغیر شفاعت کے نہیں ہے۔ شفاعت کے معنی ہیں دو کا ہونا، جیسے اُردو میں ہوتا ہے کہ ایک ہوتا ہے جھٹ اور ایک ہوتا ہے طاق تو وتر ہے طاق اور فطع جو ہے وہ ہے جھٹ۔ یعنی دوسرا ہٹ جسے کہا جاسیے، شفاعت کے معنی ہیں کسی کی کمزوری کو دُور کرنا۔ اگر کہیں تھوڑی سی کمی رہ جائے تو اس کی کمزوری کو دُور کر دینا شفاعت ہے شرک نہیں ہے۔

میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ لاکھ شفاعت کا منکر ہو لیکن اگر بچے کے ایک دو نمبر کم ہو گئے تو فوراً پہنچیں گے اسکول ماسٹر صاحب کے پاس کہ ایک سی دو نمبر تو کم ہیں۔ پورا سال خراب ہو جائے گا بچے کا۔ کچھ کوتاہی ہو گئی تھی، تھوڑا سا مریض ہو گیا تھا لہذا یہ نمبر جو اس کے رہ گئے ہیں اگر ایک نمبر آپ دے دیں گے تو یہ پاس ہو جائے گا۔ دوسری کلاس میں چلا جائے گا۔

یہ آپ شفاعت طلب کر رہے ہیں۔ جس شفاعت کو آپ حرام کہہ رہے ہیں، جس شفاعت کو آپ شرک کہہ رہے ہیں، یہی شفاعت ہے اور میدانِ حشر میں یہی ہوگا۔

کافروں کی نہیں ہوگی شفاعت، مشرکوں کی نہیں ہوگی، جو نماز کے وجود سے انکار کرتے ہیں ان کی نہیں ہوگی، جو زکوٰۃ کے وجود سے انکار کرتے ہیں ان کی نہیں ہوگی، شفاعت ہوگی ان مومنین کی کہ جن کی ہلکی سی کوتاہی سے کچھ نمبر کم رہ گئے ہیں۔

انسان کی زندگی بغیر شفاعت کے بسر نہیں ہو سکتی۔ شفاعت، یعنی کسی دوسرے سے مدد لینا۔

تو مجھے اتنا بتائیے کہ پوری زندگی میں ہماری شفاعت ہی شفاعت ہے، ہم مدد لیتے ہیں کیا کسی انسان کے لیے ممکن ہے کہ خود ہی دو مالک بھی ہو، خود ہی نوکر بھی ہو؟ کیا کسی انسان کے لیے ممکن ہے کہ خود زمیندار بھی ہو اور کاشتکار بھی ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ مکان بھی اپنے لیے خود ہی بنائے، اپنا خود طالع بھی کرے۔ مزدوری کرے، محنت بھی کرے، تجارت بھی کرے، اپنے لیے کپڑا بھی بنے۔ سب کچھ خود کرے۔

نہیں! بلکہ اس کی پوری زندگی میں کسی نہ کسی کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور بھی مدد لینا ہی شفاعت ہے..... (صلوات)

تو پوری انسانی زندگی کا انحصار ہے شفاعت کے اوپر، بغیر شفاعت کے ہم زندگی بسر نہیں کر سکتے، بغیر کسی دوسرے کی مدد کے ہم کسی کی مدد نہیں کر سکتے۔

ادھر مریض ہوئے تو ڈاکٹر کے پاس جانا ہے، ادھر کسی مقدمے میں پھنسے تو وکیل کے پاس جانا ہے، ادھر مکان بنانا ہوا تو کسی انجینئر کے پاس، کپڑا لینا ہو تو کپڑا بیچنے والے کے پاس جانا ہے، یہ سب دوسروں کی شفاعت ہے جو ہم لے رہے ہیں۔ پوری زندگی انسان کی بغیر شفاعت کے بسر نہیں ہو سکتی۔ اپنی زندگی بغیر شفاعت کے نہیں گزار سکتا۔ تو مجھے اتنا بتائیے کہ جب چند دن کی زندگی بغیر شفاعت کے نہیں بسر ہو سکتی تو ہمیشہ کی زندگی بغیر شفاعت کے کیسے بسر ہو سکتی ہے۔

اور جب ہم دنیاوی زندگی میں شفاعت کے محتاج ہیں تو کیا ہم اخروی زندگی میں شفاعت کے محتاج نہیں ہوں گے۔ جب یہاں شفاعت ہے تو وہاں بھی شفاعت

ہے۔ جب یہاں ہم دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں تو وہاں بھی ہم دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں۔ جب یہاں ہمارے شفیع ہیں تو وہاں بھی ہمارے شفیع ہوں گے۔ مگر فرق یہ ہے کہ دنیا میں شفاعت کرنے والے ہم خود منتخب کرتے ہیں۔ یہاں پر شفیع ہم خود منتخب کرتے ہیں مگر میدانِ حشر میں ہمیں خود منتخب کرنے کا حق نہیں ہوگا بلکہ جس کو اللہ شفیع بنائے گا وہ ہماری شفاعت کرے گا۔

دنیا کا نظام شفاعت پر چل رہا ہے، پورا کاروبار زندگی شفاعت پر چل رہا ہے۔ بلکہ پورا نظام کائنات شفاعت پر چل رہا ہے، پوری زندگی، پوری حیات شفاعت ہی کی بنیاد کے اوپر ہے۔

کیا بغیر شفاعت کے ہم ایک لقمہ بھی کھا سکتے ہیں؟

جب زمین کے اندر ہم ایک بیج بونے ہیں تو اس بیج کی کتنی طاقتیں حفاظت کرتی ہیں۔ شفاعت یعنی مدد کرنا، شفاعت یعنی کسی کمزوری کو دور کرنا، ایک سی بغیر شفاعت کے نہیں بندھ سکتی۔ زمین کے اندر ہم نے دانہ بویا، تب یہ دانہ شفیع بنا اس پودے کے لیے کہ جس میں اناج نکلے گا، دانہ ہم نے زمین میں بویا، زمین نے شفاعت کی اس دانے کی، پانی نے مدد کی اس دانے کی، سورج کی روشنی نے مدد کی اس کی، باغبان نے مدد کی اس کی، کاشتکار نے مدد کی اس کی۔ جب اتنے لوگوں کی شفاعت ہوئی ہے تب دسترخوان ہمارا بچھا تھا، تب ایک لقمہ ہمارے حلق تک پہنچا۔

تو بغیر شفاعت کے ایک لقمہ بھی ہمارے حلق تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو بغیر شفاعت کے ہمیں جنت کیسے مل جائے گی۔ کوثر کیسے مل جائے گی، سلسبیل کیسے مل جائے گی..... (صلوٰۃ)

اور حضور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”اسلام کی

بنیادی شفاعت پر پڑی ہے۔ اگر تین شفاعتیں نہ ہوتیں تو اسلام ناکام ہو جاتا۔ تین مرتبے سے مدد نہ ہوتی اسلام کی تو اسلام مٹ جاتا۔ اسلام ختم ہو جاتا۔ وہ تین شفاعتیں کون سی ہیں؟ کہ جو اسلام کی بنیاد میں ہیں۔ ایک ابوطالبؑ کی حفاظت۔

رسولؐ فرما رہے ہیں کہ اگر یہ تین چیزیں مددگار نہ ہوتیں اسلام کی، تو اسلام ختم ہو جاتا، اسلام ناکام ہو جاتا، اسلام مٹ جاتا، اسلام آگے نہ بڑھتا۔ وہ تین شفاعتیں کون سی ہیں؟ ایک ابوطالبؑ کی مدد، دوسرے خدیجہؓ کی مدد، تیسرے میرا اخلاق و عیار۔

اگر ابوطالبؑ تحفظ نہ کرتے تو اسلام نہ ہوتا، اگر خدیجہؓ کا مال نہ ہوتا تو اسلام نہ ہوتا اور اگر میرے اخلاق و کردار کے ذریعے سے اسلام نہ پھیلتا تو آج پوری دنیا میں اسلام نظر نہ آتا۔

تو اس کا مطلب ہے کہ یہ کون ہیں؟ یہ اسلام کے شفع ہیں، یہ اسلام کے شفاعت کرنے والے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ قدرت نے کبھی رسولؐ کے اوپر کوئی احسان نہیں جتایا، بلکہ امت کے اوپر احسان جتایا ہے، مسلمانوں پر احسان جتایا ہے کہ دیکھو! ہم نے ایسا رسول تم میں بھیجا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (آل عمران: آیت ۱۶۴)

”ہم نے صاحبانِ ایمان پر یہ احسان کیا، ہم نے مومنوں پہ یہ احسان کیا کہ ہم نے ان میں ایسا رسول بھیجا۔“

تو مسلمانوں پر احسان جتایا، امت پر جتایا، مومنین پر احسان جتایا مگر کبھی رسولؐ کے اوپر کوئی احسان نہیں جتایا، یہ کبھی نہیں کہا کہ ہمارا احسان یہ ہے کہ تم کو ہم

نے رحمۃ للعالمین بنادیا۔

دیکھئے پورے قرآن مجید میں وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہے مگر احسان کی صورت میں نہیں ہے، اعلان کی صورت میں ہے۔ رسولؐ کے اوپر کبھی کوئی احسان نہیں جتایا بلکہ مسلمانوں پر احسان جتایا ہے کہ ایسا رسولؐ ہم نے بھیج کر مومنوں پر احسان جتایا ہے، اُمت پہ احسان جتایا ہے۔

صرف ایک موقع ہے کہ جب اللہ احسان جتا رہا ہے، اپنے حبیبؐ پر، رحمت للعالمین بنایا مگر احسان نہیں جتایا، صاحبِ خلق عظیم بنایا مگر احسان نہیں جتایا، عالمین کا سردار بنایا، تمام رسولوں کا سردار، انبیاء کا سردار بنایا مگر احسان نہیں جتایا کہ ہم نے تمہیں رسولوں کا سردار بنادیا، ہم نے تمہیں اپنا سردار بنادیا، اتنے احسانات کر کے بھی احسان جتایا نہیں، کب احسان جتایا؟

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَى (سورہ نحل، آیت ۶)

”ہم نے تمہیں یتیم پایا تو ہم نے تمہاری پرورش کی۔“

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى (سورہ نحل، آیت ۸)

”ہم نے تجھے مالی حیثیت سے کمزور پایا تو ہم نے تمہیں غنی بنایا۔“

پالنے والے! ارے! اتنا کرم اس کے اوپر، اتنی رحمتیں مگر احسان نہیں جتا رہا ہے۔ اگر احسان ہی جتنا ہے تو وہ احسان جتا کہ جو رسولؐ کے لیے مخصوص ہے۔ رحمۃ للعالمین کوئی نہیں، یہی ہیں تو تجھے کہنا چاہیے کہ ہم نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین بنایا، صاحبِ خلق عظیم تھا یہی ہیں۔

ارے! اعلان فرما کہ ہم نے تجھے صاحبِ خلق عظیم بنایا ہے۔ تو جن نعمتوں میں کوئی شریک نہیں، وہ تو تُو جتا نہیں رہا ہے، اور جن نعمتوں میں ہر ایک شریک ہے،

ان نعمتوں کو تو جتا رہا ہے۔

ارے! کون یتیم ہے کہ جس کی سرپرستی اللہ نہ کرتا ہو اور فقیر ایسا نہیں کہ جس کو غنی اللہ نہ بناتا ہو۔ تو تو ہر یتیم کی سرپرستی کرتا ہے، ہر فقیر کو تو غنی بناتا ہے، تو جو چیزیں سب میں مشترک ہیں، جو نعمتیں سب پر تو نے بانی ہیں، وہ احسان تو جتا رہا ہے؟ اور جو نعمتیں مخصوص ہیں رسولؐ کے ساتھ ان پر کوئی احسان نہیں جتا رہا ہے۔

تو شاید دعائے قدرت آئے کہ وہ احسان اس لیے نہیں جتا رہا ہوں کیونکہ وہ سب چیزیں یاد رکھیں گے، میں تو وہ چیزیں جتا رہا ہوں کہ جن کو بھلانے کی کوشش کی جائے گی۔ دنیا یاد رکھے کہ کس نے آغوش میں لے کر رسولؐ کی پرورش کی ہے، تاکہ وہ آغوش یاد رہے، اور وہ خدیجہؓ یاد رہے کہ جس کے ذریعہ سے اسلام پھیلا.....
(صلوٰۃ)

اور یہ بھی یاد رہے کہ ہم نے ان کو وسیلہ بنایا، لہذا وسیلے سے کبھی انکار نہ کرنا، جب میں وسیلہ بنا رہا ہوں اپنے لیے، جب میں صاحبِ قدرت ہوتے ہوئے، رب الارباب ہوتے ہوئے، میں وسیلہ بنا رہا ہوں تو دیکھو! مجھ تک پہنچنے کے لیے تم بھی انھی کو وسیلہ بناؤ..... (صلوٰۃ)

جب میں تم تک پہنچنے کے لیے ان کو وسیلہ بنایا ہے۔ تو مجھ تک پہنچنے کے لیے تم بھی انھی کو وسیلہ بنانا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اگر ہم نے نبوت کی شناخت کرنا ہے، اگر ہم نے نبوت کی معرفت حاصل کرنا ہے، کیونکہ دین کی شناخت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ہم نئی کو نہ پہچانیں۔ اسلام کی پہچان اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس نئی کو نہ پہچانیں کہ جس کے ذریعہ سے اسلام آیا، جس کے ذریعہ سے پیغام پہنچا۔ تو اس نئی کی شناخت ضروری ہے، اس رسولؐ کی پہچان ضروری

ہے، اس خبر کی پہچان ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہمیں دین ملا۔

ورنہ اگر ہم یہ عقیدہ رکھ لیں کہ نبیؐ وہ ہے جو بھول جایا کرتا تھا تو پھر اسلام کی شناخت نہیں ہو پائے گی۔ پھر ہمیں دین کی شناخت نہیں ہو پائے گی کیونکہ جو بھول رہا ہو وہ پتہ نہیں کیا کیا بھول گیا ہو۔ لہذا اگر دین کی شناخت کرنا ہے اور اسلام کی شناخت کرنا ہے، اور شریعت کو پہچانا ہے تو اس نبیؐ کی معرفت ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ سے دین پہنچا ہے۔ تو اب پورا سلسلہ ہے کہ اسلام کی معرفت ضروری ہے مگر اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس نبیؐ کی معرفت نہ ہو کہ جس کے ذریعہ سے اسلام پہنچا ہے اور نبیؐ کی معرفت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم ان اہل بیتؑ کو وسیلہ نہ بنائیں کہ جو اس نبیؐ کے فضائل کے آئینہ بردار ہیں۔

جہاں جہاں غلط فہمیاں ہوئی ہیں ان کی بنیاد یہی ہے کہ اہل بیتؑ کو ایک ایک کر کے، اہل بیتؑ کو جدا کر کے، دل کے ٹکڑوں کو الگ کر کے، آل رسولؐ کو جدا کر کے، رسولؐ کو سمجھنے کی کوشش جب بھی کی گئی تو کوئی نہ کوئی غلطی قائم کر دی گئی۔

میں نے کبھی نہیں کہا کہ سب مسلمان رسولؐ اللہ سے محبت نہیں کرتے، اُن سے الفت نہیں رکھتے بلکہ ہر مسلمان رسولؐ کے نام پر جان فدا کرنے کے لیے آمادہ ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ باتیں ایسی کیوں آئیں کہ جو شان رسالت کے خلاف ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آل رسولؐ کو الگ کر دیا گیا۔ آل رسولؐ کو الگ کر کے جب بھی رسولؐ کی معرفت حاصل کی گئی اور رسولؐ کو پہچاننے کی کوشش کی گئی تو کوئی نہ کوئی غلط فہمی ضرور پیدا ہو جائے گی۔ کوئی نہ کوئی کمی ضرور رہ جائے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر تصویر کے بہت سے ٹکڑے ہوں، کسی تصویر کے بہت سے اجزاء ہوں اور صرف ایک ٹکڑا ہمارے سامنے لایا جائے کہ ذرا پہچانے کے

کس کی تصویر ہے تو ہمیشہ بچانے میں دھوکہ ہوگا، کوئی نہ کوئی غلط فہمی ضرور پیدا ہو جائے گی۔ کوئی کسی کا نام لے گا، کوئی کسی کا نام لے گا، یہ سب کیا ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ تصویر کا صرف ایک گلا ہمارے سامنے ہے، جب تک کہ تصویر کے سارے کٹڑے آپس میں نہ ملیں۔ اس وقت تک تصویر کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ اس وقت تک تصویر کی معرفت نہیں ہو سکتی اور آپ دیکھیں کہ کبھی کبھی بچوں کی ذہانت کا امتحان لیا جاتا ہے۔ ان کی آئی۔ کیو کا امتحان لیا جاتا ہے کہ ایک تصویر کے کئی کٹڑے کر دیئے جاتے ہیں اور اس کو بچوں کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے کہ جلدی جلدی صحیح صحیح کون پورے کٹڑوں کو ملاتا ہے۔ تصویر ایک ہی ہے مگر اس کے مختلف کٹڑے یکسر دیئے اور اس کے بعد اب امتحان ہے، اور ذہانت کا امتحان ہے کہ کون جلدی جلدی ان کٹڑوں کو صحیح ملاتا ہے۔ جو سب سے پہلے ملا دے تو اس کو سب سے زیادہ ذہین قرار دیا جاتا ہے۔

تو میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید یہی تھا کہ قدرت نے مسلمانوں کی ذہانت کا امتحان لیا، رسول کی تصویر کو چوداں کٹڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ان کے ذریعہ سے پہچانو، ان کے ذریعہ سے شناخت کرو، ان کے ذریعہ سے اگر معرفت رسالت ہوگی تو پھر کوئی غلط فہمی کبھی پیدا نہیں ہوگی ورنہ غلط فہمی ضرور پیدا ہوگی۔ جیسا کہ ایک بہت بڑے راوی کا بیان ہے، عالم اسلام کے معتبر راوی ہیں کہ جن کی صحاح ستہ میں پانچ ہزار احادیث موجود ہیں۔

مولا علی کی بیس یا تھیس سے زیادہ نہیں ہیں، وہ حدیث اس طرح سے ہے کہ حضور سرور کائنات ایک مرتبہ عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے، اس کے بعد آپ نے صرف دو رکعت نماز پڑھائی تھی اور دو رکعت نماز پڑھا کے اٹھ گئے مصلیٰ سے اور مسجد

کے گمن میں ٹپکنے لگے اور ایک درخت وہاں پر سوکھا سا تھا، اس سے ٹک کر کھڑے ہو گئے۔ اب سارے نمازی حیران ہیں کہ صرف دو ہی رکعتیں؟ اب کسی کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ رسول اللہ سے سوال کرے کہ ادھوری نماز کیسی؟

تو اب روایت کے جملے یہ ہیں: ایک صحابی رسولؐ تھے جن کا نام ذوالیدین یعنی ہاتھوں والے، کیونکہ ان کے ہاتھ کچھ زیادہ لمبے تھے، تو اب روایت میں انہی کا نام تھا، انھوں نے ہمت کی اور کہا:

اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے عشاء کی نماز دو رکعت کیوں پڑھائی؟
فرمایا: نہیں ایسا تو کچھ بھی نہیں۔

اس نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھائیں۔
فرمایا: نہیں نہیں، میں نے تو چار رکعتیں پڑھائی ہیں۔

کہا: اے اللہ کے رسولؐ! ان سارے نمازیوں سے پوچھ لیں۔

رسولؐ نے نمازیوں سے پوچھا کہ کیا یہ صحیح کہہ رہے ہیں؟

سب نے کہا کہ ہاں اے اللہ کے رسولؐ! یہ صحیح کہہ رہے ہیں آپؐ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔

فرمایا: میں بھول گیا۔

فرمایا: سب نمازیوں کو واپس بلاؤ اور دوبارہ نماز وہی سے شروع کی جہاں سے چھوڑی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بھول گئے تھے۔ تو اگر یہاں بھول گئے تو پتہ نہیں کتنے احکام بھولا دیئے ہوں گے۔ پوری رسالت شک کے دائرے میں آ جائے گی۔ پورا اسلام مشکوک ہو جائے گا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ رسولؐ بھول جایا کرتے تھے۔



لہذا اس لیے قرآن اعلان کر چکا ہے:
 سَنَقِرُكَ فَلَا تَنفُسِي (سورۃ اہل، آیت ۶)
 ”اے رسول! ہم ایسا آپ کو پڑھائیں گے کہ بھی آپ بھولیں
 گے نہیں۔“

تو مجھے اتنا بتا دو کہ ہم قرآن کو مانیں یا اس روایت کو مانیں۔ شان رسالت
 کے خلاف ہے یہ حدیث۔ مرتبہ رسالت کے خلاف ہے یہ حدیث، مگر قدرت نے
 شان رسالت کو محفوظ رکھنا تھا۔

لہذا روایت میں ایک ایسے راوی کا نام آیا جن کا نام ہے ذوالیدین۔ یہ
 ذوالیدین تاریخ بتاتی ہے کہ ۲ ہجری میں یہ جنگ بدر اوی میں شہید ہو گئے تھے۔ ہر
 تاریخ کہتی ہے اور جو راوی روایت کر رہے ہیں وہ مسلمان ہوئے تھے سن ۷ ہجری
 میں۔ تو جب مسلمان ہی نہیں تھے تو نماز جماعت میں شرکت کیسی؟

تو میں یوں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قدرت نے شان رسالت کو محفوظ رکھنا تھا،
 لہذا راوی کے حافظہ کے اوپر غفلت کے پردے قدرت نے ڈال دیئے۔۔۔۔۔ (صلوٰۃ)
 تصویر رسالت کو اگر سمجھنا ہو تو ان کے ذریعہ سے سمجھو کیونکہ ان میں سے کوئی
 وہ ہے کہ جس کے لیے رسول سند دے رہے ہیں۔

عَلِيٍّ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ ، فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي ، حَسَنٌ مِنِّي
 وَأَنَا مِنْهُ ، حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ

اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو کہ رہا ہے پائے والے اتیری بارگاہ میں ہدیہ
 پیش کر رہا ہوں، جو سیرت میں، صورت میں، رفتار میں اور گفتار میں تیرے رسول کی
 شبیہ ہے۔

ذکر مصائب

آج کا دن مخصوص ہے اس شہزادے کے تذکرے کے لیے کہ جو عظیمہ رسولؐ ہیں، کردار میں بھی، سیرت میں بھی۔ جب بھی شہزادہ ہاتھ جوڑ کر آقا حسینؑ کی خدمت میں آیا اور کہا: اے بابا! مرنے کی اجازت دیجیے تو حسینؑ کے دل کا کیا حال ہوا ہوگا، سر سے چہر تک علی اکبرؑ کو دیکھا۔

اے بیٹا! کیسے مرنے کی اجازت دوں، تم تو میرے دادا کی حبیبہ ہو، جب نانا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو تمہارے چہرے پہ نگاہ ڈالتا تھا۔ روایت میں ہے کہ جناب علی اکبرؑ نے قدموں پہ سر رکھ دیا۔ اے بابا! مرنے کی اجازت دیجیے۔

حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ حسینؑ نے علی اکبرؑ کو اجازت تو دے دی، مگر پورے واقعہ کربلا میں میں نے حسینؑ کے چہرے پہ کبھی اتنی مایوسی کبھی نہیں دیکھی۔ بس اس وقت دیکھی جب علی اکبرؑ کو مرنے کی اجازت دی۔ اے بیٹا! مرنے جا رہے ہو؟ تو ذرا پہلے اہل حرم سے رخصت ہولو۔

عزاداروا

کسی کے لیے تاریخ کربلا میں نہیں ملتا کہ امام حسینؑ نے یہ فرمایا ہو کہ بیٹیوں سے رخصت ہولو، اہل حرام سے رخصت ہولو۔

جناب عباسؑ خیموں میں گئے تھے مگر رخصت ہونے نہیں گئے تھے مہک سیکڑہ لینے گئے تھے شاید مصلحت یہ ہو کہ بیٹیاں بھی آخری بار تصویر رسولؐ کی زیارت کر لیں۔ تاریخ میں ہے کہ جب جناب علی اکبرؑ کی ولادت ہوئی تو جناب زینبؑ نے کہا تھا کہ اے بیٹا! اس بچے کو مجھے دے دو، میں اس کی پرورش کروں گی، میں اس کو

پالوں گی۔ جناب علی اکبر آغوشِ جنابِ نصب میں پلے تھے۔

تصور کیجیے کہ چوبیسویں نے کیسے اجازت دی ہوگی؟

حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ کی طرف سے بہت دیر تک کوئی جگ کرنے کے لیے نہیں نکلا۔ میں یہ سمجھا کہ حسینؑ کا کوئی مددگار باقی نہیں رہا۔ اچانک میں نے ایک عجیب مظر دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ خیمے کا پردہ کبھی اٹھتا ہے، کبھی گرتا ہے، جب میں نے غور کیا تو مجھے نظر آیا کہ علی اکبرؑ خیمے سے باہر نکل رہا تھا۔ علی اکبرؑ اس طرح سے خیمے سے نکلے جیسے کسی بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔ باہر آئے گھوڑے پر بیٹھے اور چلے۔ علی اکبرؑ کے کانوں میں آواز آئی: واہ علی اکبر! واہ!

علی اکبرؑ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حسینؑ کو حرام کر آرہے ہیں۔ علی اکبرؑ نے رُک کر کہا: بابا! آپ کا یہ کیا حال ہو رہا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ امام حسینؑ نے کہا ہوگا: اے علی اکبرؑ! اگر تمہارا بھی کوئی ایسا فرزند ہوتا، جیسے تم ہو، تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ بوڑھے باپ پر کیا گزرتی ہے۔

ایک واقعہ ہے، ایک نوجوان تھا جو رونے کا قائل نہیں تھا۔ ایک مرتبہ اس نے خواب میں دیکھا کہ امام حسینؑ تشریف لائے اور پورا جسم دھنوں سے چھلکی تھا۔ اب جو یہ مظر دیکھا، اور پورا جسم دھنوں سے چھلکی تھا۔ اب جو یہ مظر دیکھا تو خواب ہی میں رونے لگا، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہائے میرے آقا پر اتنے دُغم۔ میں رونے سے انکار کرتا تھا۔ پوری رات روتا رہا۔ اگلی رات پھر خواب دیکھا اور آقا تشریف لائے مگر اس نے دیکھا تو جسم کے سارے دُغم اچھے ہو چکے ہیں۔ اس نے کہا: اے آقا! کچلی رات جب میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کا جسم دھنوں سے چور

تھا مگر آج سارے دُغم دور ہو گئے۔ یہ تو رونے والوں کے آنسو ہیں، جو میرے
دُغموں کا مرہم بن جاتے ہیں۔

اس نے کہا: اے آقا! سارے دُغم اچھے ہو گئے ہیں مگر یہ سینے پہ داغ کیا
ہے؟

کہا: یہ دُغم کُزِیلِ جِوان بیٹے کا ہے، یہ آنسوؤں سے نہیں مٹ سکتا۔ وہ حسین
جس کا رخصت کے وقت یہ حال تھا مگر جب کانوں میں آواز آئی ہوگی، بابا! سلام
آخر قبول کرو تو آقا کے دل کا کیا حال ہوا ہوگا؟

روایت میں ہے کہ حسینؑ چلے تھے لاشِ علی اکبرؑ کی طرف مگر ستر مقام پر
گرے تھے اور اٹھے، مگر جب لاشِ علی اکبرؑ کے ذرا قریب پہنچے اور جب لاشِ نظر آیا
تو حسینؑ کربلا کی گرم زمین پر گرے تو پھر اٹھ نہ پائے۔

صاحبِ ریاضِ القدس تحریر کرتے ہیں: حسینؑ سے اٹھا نہیں گیا بلکہ جس طرح
سے چھوٹے بچے کہنیوں کے بل زمین پر چلتے ہیں، حسینؑ بھی کہنیوں کے بل چلتے
رہے۔ علی اکبرؑ کے قریب پہنچے۔ اپنے رخساروں کو علی اکبرؑ کے رخسار پر دکھ دیا۔ اے
بیٹا! آنکھیں کھولو، دیکھو تمہارا باپ تم سے رخصت ہونے کو آیا ہے۔

اے بیٹا! ایک بار مجھے آنکھیں کھول کر دکھ لو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب غیموں کے قریب لاشِ اکبرؑ کو لے کر پہنچے تو ابھی
دمِ باقی تھا، علی اکبرؑ نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ چاروں طرف بیٹیاں ماتم کر رہی ہیں۔
علی اکبرؑ نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ چاروں طرف بیٹیاں ماتم کر رہی ہیں۔ علی
اکبرؑ نے پوچھا: کون کون رو رہا ہے؟

ایک بی بی کہہ رہی تھی: ہائے میری قسمت؟

علی اکبرؑ نے پوچھا: بابا یہ کون ہے؟

کہا: بیٹا یہ تمہاری بہن کبریٰ ہے جو تھوڑی دیر کی دلہن ہے۔ جیسے ہی بہن کبریٰ کا نام سنا تو علی اکبرؑ تڑپنے لگے اور کہا: بابا! کاش بہن صغریٰ بھی ہوتی، میں اس سے معافی مانگتا، میں نے وعدہ کیا تھا کہ لینے آؤں گا۔ اے بابا! کاش میں صغریٰ سے مل لیتا۔

حسینؑ نے کہا: بیٹا! صغریٰ سے ملنا چاہتے ہو؟

کہا: بابا! آخری تمنا یہی ہے۔

فرمایا: سامنے کرو۔ حسینؑ نے اشارہ کیا سامنے سے پردے اٹے۔ پوچھا: علی اکبرؑ کیا نظر آ رہا ہے؟

کہا: مدینہ نظر آ رہا ہے۔

کہا: آگے دیکھو!

کہا: تانا کاروضہ نظر آ رہا ہے۔

پھر کہا: خور سے دیکھو!

کہا: محلہ بنی ہاشم نظر آ رہا ہے۔ بس اچانک علی اکبرؑ تڑپنے لگا۔

حسینؑ نے کہا: علی اکبرؑ کیا ہوا؟

فرمایا: اے بابا! ہمارا گھر ہے، دروازہ کی چوکت ہے، میری بہن صغریٰ ہے، جہاں پر مجھ سے رخصت ہوئی تھی وہاں پر میرا نقش قدم موجود ہے۔ میری بہن نقش قدم پر اپنا چہرہ رکھنے ہوئے فریاد کر رہی ہے:

اے بھیا علی اکبرؑ! لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔



مجلس ہفتم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

-* سعودی عرب میں اکثر امام مالک کی تقلید کرتے ہیں
-* اور اگر آپ کو اللہ تک پہنچنا ہے تو یہی ہمارا وسیلہ ہیں
-* ہم تجھ سے تو متسل کرتے ہیں نئی کے بچا کے وسیلہ سے
-* وسیلہ کا معنی کیا ہے اور وسیلہ بتایا کیوں جاتا ہے؟
-* میں ظاہری طور پر تو بشر ہوں مگر حقیقت میں نور ہوں
-* نور کی حیثیت سے اللہ سے ربط ہے اور لباس بشری کی حیثیت سے ہم سے ربط ہے
-* حقیقت میں نور ہوں اور دیکھنے میں بشر ہوں
-* یہی دنیاوی نور جب مرکز سے چلا ہے تو ایک ہوتا ہے
-* مگر جس کو اللہ اجازت دے وہ وہاں پر شفاعت کر سکتا ہے

ذکر مصائب

.....* شہادت جناب کاظم بن حسن

مجلس ہفتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ قَدِيمًا وَ مُبَشِّرًا وَ كَذِبًا
وَ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِآذِنِهِ وَ سِرَاجًا مُّنِيرًا (سورة الاحزاب
۴۵-۴۶)

موضوع جو ہے وہ بہت وسیع ہے، بہت حساس ہے۔ پوری دنیا میں وہابیت کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ نہیں ہے اور مسلمانوں کی ایک عرب ہے۔ سعودی عرب میں اکثر امام مالک کی تقلید کرتے ہیں۔ جناب امام مالک کا قول موجود ہے۔ منصور دوانیقی جناب مالک کے زمانے میں بادشاہ تھے۔ منصور دوانیقی نے امام مالک سے پوچھا کہ جب میں دعا مانگوں تو اتنا بتائیے کہ کعبہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں یا مدینہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟

تو امام مالک نے فرمایا: اگر تم کو دعائیں اپنی قبول کروانا ہے تو مدینہ کا رخ کر کے دعا مانگو اور اللہ کے رسول کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بناؤ کیونکہ انبیاء کی دعاؤں کا وسیلہ بھی یہی رہے ہیں اور میدانِ حشر میں یہی ہماری شفاعت بھی کریں گے اور انبیاء کے شفع بھی یہی ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلک وہابیت کے

قوت کے لحاظ سے امام مالک واجب القتل ہوئے۔
اب دوسرے امام شافعی ہیں ان کے اشعار میں پیش کر رہا ہوں جو وہ پڑھا کرتے تھے:

أَلِ النَّبِيِّ ذَرِيَعَتِي

”یہ آل رسول میرا ذریعہ ہیں۔“

وَلَهُ إِلَيَّ وَسِيلَتِي

”اور آپ کو اگر اللہ تک پہنچنا ہے تو یہی مایہ وسیلہ ہیں۔“

اگر ہم ان سے وسیلہ رکھیں تو کل میدان حشر میں سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا۔ کیونکہ جو گناہ کار ہوتے ہیں ان کو اُلٹے ہاتھ میں نامہ اعمال ملے گا اور جن کے گناہ محاف کر دیئے جاتے ہیں ان کو داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ملتا ہے تو اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ بھی اہل بیت ہیں۔

ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ علامہ تہجانی ساوی کا ایک وہابی مسلک کے عالم سے مناظرہ ہوا، اور اس میں توسل کی بحث آئی کہ کسی کو وسیلہ بنا سکتے ہیں یا نہیں تو انہوں نے آیات پیش کیں اور اس کے بعد کہا کہ دیکھئے قرآن مجید میں موجود ہے، اعلان ہو رہا ہے کہ:

وَإِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ (سورۃ نساء، آیت ۶۴)

”کاش یہ لوگ آپ کے پاس آ جاتے جنہوں نے ظلم کیا“

اللہ سے بھی طلبہ استغفار کرتے اور رسول کے ذریعہ سے بھی معافی طلب کرتے۔

جب یہ آیت پڑھی تو وہابی مسلک کے عالم نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ زندگی

میں توسل جائز ہے، کوئی اگر زعمہ ہو تو اس سے توسل جائز ہے۔ تو پھر حج بخاری کا واقعہ انہوں نے بیان کیا:

ایک مرتبہ خلیفہ ثانی کے زمانہ میں قحط پڑا۔ سب لوگ بڑے پریشان ہوئے تو یہ خلیفہ ثانی تشریف لے گئے جناب مہاس کے گمرہ جو رسول اللہ کے چچا ہیں۔ اور ان سے کہا گیا کہ آپ تشریف لائیں کہ ہم آپ کے توسل سے دعا مانگیں اور اس کے بعد دعا مانگی کہ پالنے والے:

تَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا

”ہم تجھے سے توسل کرتے ہیں نبی کے چچا کے وسیلہ سے۔“

اور پھر ادھر نبی کے چچا کو وسیلہ بتایا تو ہارش ہونے لگی۔ جب علامہ تھانی نے یہ بات پیش کی تو کہا گیا کہ زعموں کو وسیلہ بتایا جاسکتا ہے کیونکہ رسول مژدہ ہیں اس لیے ان کو وسیلہ نہیں بنا سکتے۔

پھر علامہ تھانی نے کہا کہ کیا رسول اللہ کے چچا نبی تھے؟

کہا: نہیں، نبی نہیں تھے۔

کہا: پھر کیوں وسیلہ بتایا؟

کہا: ایک متقی اور پرہیزگار بندے تھے، لہذا ان کو وسیلہ بتایا۔

پھر علامہ تھانی نے کہا کہ بتائیے کہ چچا زیادہ قریب ہوتا یا اولاد زیادہ قریب

ہوتی؟

تو اس نے کہا کہ اولاد زیادہ قریب ہوتی ہے تو اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ

وسیلہ زعمہ کو بتایا جاسکتا ہے۔ پھر وہ کھڑے ہوئے اور کہا: اے اللہ! میں وسیلہ قرار دیتا

ہوں اس نیک بندے کو کہ جس کا نام روح اللہ موسوی ہے۔ چہ جائیکہ وہ عالم کوئی

جواب دیجئے معاذ اللہ کہتے ہوئے تکریم لے گئے۔

تو میں یہ بتا دوں کہ وسیلہ کا معنی کیا ہے اور وسیلہ بتایا کیوں جاتا ہے۔

مثلاً صدر، صدر الدین شیرازی بہت مشہور ہمارے عالم ہیں، انہوں نے تحریر کیا ہے:

”بلند اپنی بلندی کی وجہ سے، پست اپنی پستی کی وجہ سے ایک دوسرے کو مل نہیں سکتے، لہذا درمیان ارتباط کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت ہے مگر یہ وسیلہ ہر ایک نہیں بن سکتا۔ یہ تو سب ہر ایک نہیں اختیار کر سکتا، بلکہ صرف وہی اختیار کر سکتا ہے کہ جس کو عالی سے بھی ربط ہو اور دانی سے بھی ربط ہو۔ اگر صرف ایک سے ربط ہوا تو پھر وسیلہ نہیں بن سکتے، دونوں سے ارتباط ہونا چاہیے۔

اللہ اپنی بلندیوں کی وجہ سے اور انسان اپنی پستی کی وجہ سے ایک دوسرے سے ارتباط نہیں کر سکتے لہذا درمیان میں کوئی وسیلہ ہونا چاہیے۔ وسیلہ ایسا ہو کہ اللہ سے بھی ربط ہو اور انسانوں سے بھی ربط ہو۔

اسی لیے رسولؐ نے کہا تھا:

أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورۃ کہف، آیت ۱۱۰)

”میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں بھی بشر ہیں۔ یہ بشر اس لیے کہا تاکہ دنیا کے لیے پتہ چلے کہ تم سے بھی میرا ربط ہے۔ میں ظاہری طور پر تو بشر ہوں مگر حقیقت میں نور ہوں۔

کیوں کہ اگر صرف بشر ہوں تو انسانوں سے رابطہ ہوتا مگر اللہ سے رابطہ نہ ہوتا اور اگر صرف نور ہی نور ہوتا تو اللہ سے رابطہ ہوتا مگر انسانوں سے رابطہ نہ ہوتا۔ لہذا

ہوں نور مگر حکم بشری میں آیا ہوں۔“

ہوں نور مگر لباس بشری میں آیا ہوں، یہی عارا عقیدہ ہے۔ محمد و آل محمد کے لیے کہ ”حقیقت میں یہ نور ہیں، واقعیت میں نور ہیں مگر حکم بشری میں آئے ہیں، لباس بشری میں آئے ہیں کیونکہ صرف بشر ہوتے تو اللہ سے رابطہ نہ ہوتا، اور اگر صرف نور ہوتا تو ہم سے رابطہ نہ ہوتا، لہذا نور حقیقت میں ہیں مگر لباس بشری میں ہیں تاکہ ربط دونوں سے رہے۔“

نور کی حیثیت سے اللہ سے ربط ہے اور لباس بشری کی حیثیت سے ہم سے ربط ہے۔ کیونکہ اگر بجلی کا کرنٹ ڈائریکٹ ہمیں مل جائے تو جو چھوئے گا وہ مر جائے گا۔ تو اگر رسول خالص نور رہے اور بشریت کا لباس نہ ہوتا تو قابل استفادہ نہ ہوتے ہمارے لیے۔

معلوم ہوا کہ حقیقت میں نور ہیں مگر کیوں کہ انسانوں سے ارتباط قائم کرنا ہے، لہذا بشریت کا لباس پہنا دیا گیا۔ ”ان کو اپنے جیسا نہ سمجھنا“..... (صلوٰۃ) فرض کریں کہ میں ایک ایسے گاؤں میں چلا جاؤں کہ جن کا شہر سے کوئی ارتباط ہی نہیں ہے اور وہاں میں پہنچاؤ تو مجھے پیاس کا احساس ہوا۔ ایک آدمی سے میں نے کہا کہ مجھے پانی چاہیے۔ اس نے کہا کہ سامنے کواں موجود ہے، آپ اس سے پانی حاصل کر سکتے ہیں۔

میں گیا اور کتوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر میں پھر وہی آدمی وہاں سے گزرا اور اس نے پوچھا کہ آپ نے پانی پیا؟ میں نے کہا کہ پانی کیسے پئیں مجھے تو سمجھ کچھ نہیں آ رہا ہے میں اتنی بلندی پر ہوں اور پانی اتنی پستی پر ہے۔ پانی اٹھ کر میرے پاس نہیں آ سکتا، میں کتوں کے اندر نہیں جا سکتا۔ پانی کیسے حاصل کروں؟

اس نے کہا کہ لگتا ہے آپ شہر سے کچل بار کھلے ہیں۔ آپ یہ رسی لپیچے اور یہ ڈول لپیچے اور اس کے ذریعہ سے آپ پانی پی لپیچے۔

میں نے رسی اور ڈول دونوں کو کنویں کے اندر ڈال دیا۔ پھر بیٹھا ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بھی! کیا بات ہے کہ میں نے تو آپ کو وسیلہ فراہم کر دیا تھا۔ آپ کی پیاس بجھ جانا چاہیے تھی۔

اس نے کہا کہ یوں آپ کو پانی نہیں مل سکا۔ شرط یہ ہے کہ رسی کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہو اور ایک سرا پانی کی سطح تک پہنچ چکا ہو، تب یہ پانی آپ تک پہنچے گا۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ ”حقیقت میں نور ہوں اور دیکھنے میں بشر ہوں“۔ جب تک دونوں سے ارتباط نہ ہوگا، اس وقت تک وسیلہ نہیں بن سکا۔ نور کی حیثیت سے اللہ سے ربط ہو، بشریت کی حیثیت سے ہم سے ربط ہو۔

اب کیا ہوا؟ اس آدمی نے مجھے ایک مرتبہ پھر رسی اور ڈول فراہم کیا اور میں نے کنویں میں ڈالا۔ جب پانی نکالا تو پانی گندا تھا۔ میں نے کہا: یہ پانی کیسے پیوؤں؟ تو انہوں نے کہا کہ پورا گاؤں اسی سے پی رہا ہے، اس میں کوئی کثافت کا سوال ہی نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ جو ڈول آپ نے ڈالا ہے وہ گندا تھا۔ اس لیے جب آپ نے پانی لیا تو اس میں گندگی آگئی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وسیلے کو بھی پاک و پاکیزہ ہونا چاہیے کیونکہ اگر گندے وسیلے سے جو چیز ہم تک پہنچے گی تو وہ بھی گندی ہوگی۔ لہذا وسیلے کو پاک و پاکیزہ ہونا چاہیے اس لیے قدرت نے جن کو اپنے لیے وسیلہ بنایا، اپنے پہنچنے کے لیے، ان پر آیتِ تسلیم نازل کر دی اور پاک و پاکیزہ بنا دیا لہذا جو چیز طے وہ پاک و پاکیزہ ہو۔

یہ ہیں دلیل، نور بھی ہوتا چاہیے تاکہ اللہ سے ربط ہو اور بشریت کا لباس بھی ہونا چاہیے تاکہ ہم سے ربط ہو، اسی لیے رسول کا فرمان ہے:

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي

”اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔“

مگر اللہ کو اپنی واحدانیت اتنی عزیز تھی کہ اس نور کو اکیلا نہیں رکھا، اس نور کو واحد نہیں رکھا بلکہ اس نور کو دو حصوں میں بانٹ دیا: ایک جز کا نام رکھا رسالت، دوسرے جز کا نام رکھا امامت۔

ارے ایسی دنیاوی نور جب مرکز سے چلا ہے تو ایک ہوتا ہے، ہم تک پہنچتے پہنچتے دو حصوں میں ہو جاتا ہے۔ اگر یہ نور دو حصوں میں نہ بٹے تو پھر یہ لاؤڈ اسپیکر کام نہیں کر سکتا۔ پھر ہمارے گھر روشن نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نور نے دو حصوں کی شکل اختیار کر لی۔ جب تک کہ نور کے دو جز نہ ہوں، اس وقت تک یہ قابلِ استفادہ نہیں ہے۔

تو جب یہ معنوی دو حصوں میں بٹا ہے تو ان کے نام کیا ہیں، ان کو آخر کہتے کیا ہیں؟ تو ایک صاحب نے کہا کہ ایک کو ”نائنس“ کہتے ہیں اور ایک کو ٹالس کہتے ہیں۔

میں نے کہا کہ بھی ابھرت ٹیکنیکل بات ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا، تھوڑا سا آسان کر کے بتا دیں تو انہوں نے کہا کہ ایک کو پاڑیٹے کہتے ہیں اور ایک کو ٹیکو کہتے ہیں۔

میں نے کہا: اب بھی بات میری سمجھ نہیں آئی، لہذا اور سہل کر کے بتا دیجیے، آسان کر کے بتا دیں تو انہوں نے کہا کہ اور آسان نہیں کر سکتا، ایک ٹھنڈا ہے اور

ایک گرم ہے کہ دو جز ہوتا ہے: جب نور تو ایک شفا ہے اور ایک گرم ہے۔
اس کا مطلب ہے کہ جب مصنوعی نور جب دو حصوں میں بٹا، دو حصوں میں
تقسیم ہوا تو ایک شفا ہے اور ایک گرم ہے۔

تو قدرت نے جب نور کی تخلیق فرمائی اور جب اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا تو
ایک کو شفا رکھا، ایک کو گرم رکھا، جس کو شفا رکھا اس کو سند دی کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سورۃ انبیاء: آیت ۱۰۷)

اور جس کو گرم رکھا اس کو سند دی کہ

لَا فَتْنِي إِلَّا عَلَىَّ لَا مَنِيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ

تو موضوع جو چل رہا ہے وہ شفاعت ہے، کہا گیا تھا کہ شفاعت کا عقیدہ
رکنا حرام ہے۔ کسی کو شفع ماننا ناجائز ہے۔ لیکن میں عرض کیا تھا کہ قرآن میں
اٹھائیس آیات ایسی ہیں کہ جن سے شفاعت ثابت ہوتی ہے کہ جس میں یہ تو کہا گیا
کہ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر آخر میں إِلَّا کما دیا۔

— إِلَّا بِإِذْنِهِ

مگر جس کو اللہ اجازت دے وہ وہاں پر شفاعت کر سکتا ہے۔

تم نے پہلے کھلے کو تو مان لیا کہ جس میں یہ کہا گیا کہ ”کوئی شفاعت نہیں
کر سکتا“۔ اس کے بعد یہ ہے کہ إِلَّا بِإِذْنِهِ کوئی شفاعت نہیں کر سکتا مگر وہ جسے اللہ
اجازت دے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ

آیت الکرسی میں روزانہ آپ پڑھتے ہیں:

”کون ہے جو اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے“۔

مگر یہی تک نہیں ہے بلکہ آگے ہے۔

إِلَّا بِإِذْنِهِ

یہ جو اللہ سے پہلے دیکھا مگر اللہ کے بعد نظر نہیں آ رہا، یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ کر رُک جائے۔

کوئی نہیں ہے معبود جس کے سامنے ہم سر جھکا ئیں، کوئی نہیں ہے کہ جس کی ہم عبادت کریں، کوئی نہیں ہے کہ جس کی ہم پرستش کریں۔ **إِلَّا اللَّهُ** سوائے اس اللہ کے۔

جو واحد و یکتا ہے، تو اِلا سے پہلے کفر ہے اور اِلا کے بعد یمنِ ایمان ہے۔ یہی قرآن کا اعجازِ گفتگو ہے کہ ابتداء میں کفر ہے اس کے بعد ایمان ہے۔ تو اگر اِلا پر دُک مئے تو حراجِ قرآنی کے مطابق کافرِ ظہر ہے کیونکہ اِلا پر کبھی گفتگو تمام نہیں کرتا قرآن، اِلا کے بعد بھی کچھ گفتگو ہوا کرتی ہے۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ (سورہ شوریٰ، آیت ۲۳)
 کے بعد ہے إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (سورہ شوریٰ، آیت ۲۳)
 دیکھو اب رسالت اگر کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ محبت اہل بیت ہے، وہ مودت
 اہل بیت ہے۔

اسی طرح سے قدرت نے شفاعت میں بھی ایسی ہی اعزاز اختیار کیا ہے کہ شروع میں انکار ہے، بعد اقرار ہے۔ شروع میں جو انکار ہے وہ کفر ہے اور آخر میں جو اقرار ہے وہی ایمان ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی یہ مان لے کہ کوئی شفعج نہیں ہے، تو یہ کفر

ہو جائے گا۔ اگر ایمان حاصل کرنا ہے تو الا باذینہ پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔

شاید اسی وجہ سے شفاعت کا انکار کیا جا رہا ہے، صرف ایک آیت بنیاد بنی، کہ شفاعت سے انکار کر دیں۔ چونکہ اگر شفاعت کو قبول کر لیا تو پھر اس آیت کو بھی ماننا پڑے گا۔ آیت آگے بڑھ کر آواز دے رہی ہے۔

لَا يَشْفَعُونَ كُوفَى شَفَاعَتِمْ نَحْنُ كَرَسَلَا، اللہ کی بارگاہ میں کوئی شفاعت نہیں کرے گا۔ جیسے لا ۱۱۱ کوئی اللہ نہیں۔ اعلان ہو رہا ہے: لَا يَشْفَعُونَ كُوفَى شَفَاعَتِمْ نَحْنُ كَرَسَلَا۔ (سورۃ انبیاء، آیت ۱۸) نہیں کر سکتا۔ اِلَّا لِمَنْ اَمَرَ تَعْنِي (سورۃ انبیاء، آیت ۱۸) مگر وہ کہ جس سے اللہ راضی ہے، جس سے ارتضیٰ کا تعلق ہے، وہی مرتضیٰ کہلاتا ہے۔

قرآن کی آیت کہہ رہی ہے کہ اگر شفاعت لینا ہو تو مرتضیٰ کے ذریعہ آنا۔ یہ وہ شخصیتیں ہیں جو انبیاء کے شفیع اور مددگار بنے۔ (صلوٰۃ) یہی تو تعجب ہے کہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کہ بَعْدَ كَلَامِ النَّبَاہِی صَحِیْحُ النَّبَاہِی۔

اس کے بعد صراحت سے صحیح بخاری میں موجود ہے، پورا باب شفاعت موجود ہے صحیح بخاری میں۔ اس میں صاف لفظوں میں ہے کہ رسول اللہ شفیع ہیں روزِ محشر۔

پھر پتہ نہیں انکار کیوں کیا جا رہا ہے؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اسی آیت کی وجہ سے انکار ہو رہا ہے کہ جس میں صاف اعلان ہو رہا ہے جو مرتضیٰ ہیں۔

تمام کتابوں میں موجود ہے کہ جناب آدم کی جو توبہ قبول ہوئی وہ انہیں محمد و آل محمد کے ذریعہ سے، تو پہلی دعا جو زمین پر ہوئی ہے وہ محمد و آل محمد کے ذریعہ سے

ہوئی اور یہ جو دعا پڑھتے رہے ہیں بار بار:

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْتَ الْمَحْمُوْدُ ، وَّبِحَقِّ عَلِيٍّ وَّ اَنْتَ
الاعْلٰی وَّبِحَقِّ فَاطِمَةَ وَّ اَنْتَ قَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَّ الْاَرْضِ ،
وَّبِحَقِّ الْحَسَنِ وَّ اَنْتَ الْمُحْسِنُ وَّبِحَقِّ الْحُسَيْنِ وَّ اَنْتَ
قَدِيْمُ الْاِحْسَانِ

یہ دعا بعض روایات کے مطابق جناب آدم کو اللہ نے تعلیم دی تھی۔ پہلی دعا
یہی ہے جو ایک نبی کی زبان پر آ رہی ہے کہ دیکھو! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری غلطی
اور خطا و ترک اولیٰ معاف ہو تو براہ راست مجھ سے دعا نہ مانگنا، بلکہ وہ ان حضرات
کو وسیلہ بناؤ، تو تمہاری دعا قبول ہوگی۔ شیطان نے جناب آدم کو جنت سے نکالا،
لیکن آدم پھر جنت میں پہنچ گئے۔ اب اس نے تحقیق کرنا شروع کی کہ آخر کیا سبب
ہوا کہ آدم کو دوبارہ جنت مل گئی۔

تو یہ اب شیطانی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اس نے بڑی محنتوں سے نکالا تھا مگر
دوبارہ کیسے پہنچ گئے آدم؟ تو جب اس نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ دو چیزوں کے
سہارے آدم دوبارہ جنت پہنچے۔ ایک تو آنسوؤں کے ذریعے، آنسوؤں کے دریا بہا
دیئے، اتنا کر یہ کیا کہ نہریں جاری ہو گئیں، لہذا ایک چیز جو وسیلہ بنی وہ ہے رونا، اور
دوسری چیز جو وسیلہ بنی وہ ہے محمد، آل محمد سے توسل۔

تو شیطان نے فیصلہ کیا کہ آدم کے سلسلہ میں تو میں دھوکہ کھا گیا۔ ارے!
مجھے خبر ہی نہیں تھی کہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ذریعہ انسان جنت میں جائیں
گئے تو آدم کے سلسلہ میں تو دھوکہ کھا گیا تھا مگر بنی آدم کے سلسلہ میں دھوکہ نہیں
کھاؤں گا، قیامت تک یہی کہتا رہوں گا کہ دیکھو! کبھی رونا نہیں، مگر یہ نہ کرنا، اور

دیکھو! کبھی کسی کو دعائیں وسیلہ نہ بنانا۔

ذکر مصائب

بھئی ہمارا وسیلہ ہیں، بھئی ہمارے شفیع ہیں، بھئی میدانِ حشر میں ہمیں بچائیں گے، یہ وہ ہیں جنہوں نے اسلام کو بچایا، یہ اسلام کے شفیع ہیں، اپنا سب کچھ لٹا کر، پورا گمراہِ خدا میں دے کر، اس نام کی حفاظت کی، اللہ نے ان کو وسیلہ بنایا حفاظتِ اسلام کا اور کربلا کے میدان میں مولا حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

کربلا کے میدان میں صرف مولا حسینؑ ہی کی قربانی نہیں ہوئی بلکہ امام حسنؑ نے بھی قربانی پیش کی، ان کی قربانی بھی کسی سے کم نہ تھی، اسی لیے وصیت کی تھی: اے قاسم! میں کربلا کے میدان میں موجود نہیں ہوں گا، تم میری طرف سے قربانی پیش کرنا۔

تاریخ کربلا بیان کرتی ہے کہ جب بھی جنابِ قاسمؑ امام حسینؑ کی خدمت میں آئے تھے اور کہتے تھے کہ اے چچا! مرنے کی اجازت دیجیے۔ امام حسینؑ اجازت نہیں دیتے تھے۔

جنابِ قاسمؑ خیمے کے گوشے میں سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ جنابِ امِ فروہؑ کی نظر پڑی۔ کہا: اے قاسم! اس وقت خیمے کے اندر بیٹھے ہو اور تمہارے چچا مصیبت میں ہیں۔

فرمایا: جب بھی چچا کی خدمت میں جاتا ہوں تو اجازت نہیں دیتے۔ اس وقت جنابِ امِ فروہؑ نے فرمایا: اے قاسم! جب تمہارے بابا رخصت ہو رہے تھے، تمہارا سن اڑھائی برس کا تھا، تمہارے بازوؤں پر ایک تعویذ باندھا تھا اور کہا کہ میری

دمیت ہے اور جب بھی کوئی سخت وقت ہو، تو اس دمیت کو کھول کر دیکھ لیتا، اسی لیے علماء بیان کرتے ہیں کہ قاسم کے لیے سب سے بڑی مصیبت اجازت کا نہ ملنا تھا کہ چھارنے کی اجازت نہیں دیتے۔

تعوذ کھولا، بابا کی تحریر: اے قاسم! میرا بھائی کربلا میں دشمنوں میں گھر گیا ہے لیکن نصرت میں کوئی کوتاہی نہ کرنا۔

روایت کہتی ہے کہ خوشی خوشی جناب قاسم چلے، امام حسینؑ کی خدمت میں آئے۔ اے چچا! یہ بابا کی دمیت ہے۔ امام حسینؑ نے وہ تحریر دیکھی، اپنی آنکھوں سے لگایا اور قاسم کو گلے لگا لیا اور اتار دئے کہ دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا: اے قاسم! جیسے تمہیں بھی دمیت ہے، ایسے مجھے بھی دمیت ہے اور اس کے بعد خیمے میں تشریف لاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قاسمہ کبریٰ کو لے آؤ، اسی وقت عقد پڑھا جاتا ہے۔ جیسے ہی عقد کے سینے تمام ہوئے میدان میں کسی نے کہا کہ کوئی ہے جو میرے مقابلے میں آئے۔

قاسم کھوار لے کر اٹھے، کبریٰ نے دامن تھاما اور کہا کہ میدانِ حشر میں تجھے کیسے پہچانوں؟

قاسم نے اپنی آستین پھاڑ کر دی کبریٰ کو کہ اسی کے ذریعے میدانِ حشر میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔

قاسم خیمے سے باہر نکلے۔ امام حسینؑ نے اپنی گود میں لے کر جناب قاسم کو سوار کیا اور اتنا چھوٹا تھا شہزادے کا کہ دونوں حیدر رکابوں میں نہیں آئے۔ اس کے بعد ایک عجیب انداز اختیار کیا۔ جناب قاسم کے کردہ کا گریبان چاک کر دیا۔ خالی ایک گردہ پہنے ہوئے جناب قاسم میدانِ جگ میں گئے ہیں۔ زبردست جگ کی۔

بس قاسم کو نذرہ لگا، قاسم زمین پر آئے۔

آواز دی: چچا امد کیجیے۔ امام حسینؑ لاشہ قاسم پر پہنچے۔

بس عزادارو!

ادھر کے گھوڑے ادھر، ادھر کے گھوڑے ادھر، قاسم پامال ہو گیا۔



www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

مجلس ہشتم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

..... * تقیہ کب ہوتا ہے اسلام میں؟

..... * آپ یاد کریں کہ جھوٹ بولنا جائز نہیں بلکہ کبھی کبھی جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے

..... * کیا آپ جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟

..... * رسول بھی تقیہ فرما رہے ہیں، مہدیا رسول بھی تقیہ فرما رہے ہیں

..... * دیکھ لیجئے گا کہ شرک اور بدعت کئے والے

..... * ارے اتم کیوں تعظیم کر رہے ہو کیا یہ شرک نہیں؟

ذکر مصائب

..... * شہادت جناب عباسؑ ابن علیؑ

..... * تو وہ علم جو اسلام کی نشانی ہے وہ علم جو کربلا کی علامت ہے

..... * کبھی حسینؑ کو اپنا بھائی نہ کہنا!

مجلس ہشتم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (سورة الاحزاب

(۴۶-۴۵)

ہمارے عوام، ہمارے ذاکرین کو اس بات کی احتیاط کرنی چاہیے کہ اس وقت
کھلے ہوئے جو ہمارے دشمن ہیں، وہ وہابی فرقے کے لوگ ہیں۔ وہ صرف ہمارے
نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کے دشمن ہیں کیونکہ ان کا فتویٰ یہی ہے کہ سارے
مسلمان جو ہیں وہ واجب القتل ہیں۔ جو رسول اللہ کو دعا میں وسیلہ بنالے، تو اس
میں سب مسلمان شریک ہیں۔ رسول اللہ کی زیارت کو اگر کوئی جائے تو وہ مشرک
ہے۔

تو آج موضوع تقیہ بھی ہوگا، تقیہ کب ہوتا ہے اسلام میں؟ جب کوئی خوف کا
ماحول ہو۔ تو یہ جو روضہ رسول باقی ہے اگر یہ وہابی حضرات تقیہ نہ کر رہے ہوتے تو
اس کو بھی مٹا دیا ہوتا۔ اور ہمیشہ فرق رکھنے گا، جو ہمارے اہل سنت بھائی ہیں وہ الگ
ہیں اور جو وہابی حضرات ہیں وہ بالکل الگ ہے، لہذا دونوں کو کس نہ کیجیے گا۔

کیونکہ وہابی جس طرح ہمارے دشمن ہیں اسی طرح اہل سنت کے بھی دشمن ہیں۔ ہمارے اہل سنت بھائیوں کو مسموم ہو کہ جو غلاب اڈہ کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح اہل سنت ہیں مگر وہ صرف غلاب ہوتا ہے۔

آپ حضرات کو اور اپنے اہل سنت بھائیوں کو ایک پچان بتائے دیتا ہوں، وہ پچان یہ ہے کہ رسولؐ پر سلام پڑھا جائے، اگر احترام سے کھڑا ہو جائے تو ٹھیک ہے اور اگر گستاخی سے بیٹھا رہا ہے تو پھر وہ ہمارا نہیں ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ شیعہ حضرات جھوٹ بولنے کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں جھوٹ بولنا داخل مذہب ہے۔ تقیہ کو کہا جاتا ہے کہ یہ جھوٹ بولنا ہے مگر تقیہ حکم قرآن ہے۔ سورہ آل عمران میں تقیہ کی آیت موجود ہے، جس میں اعلان ہو رہا ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

”دیکھو! کبھی کافروں کو، کبھی اسلام دشمنوں کو اپنا سرپرست نہ

بنانا۔“ (سورہ آل عمران، آیت ۲۸)

تو اب جو امریکہ کو اپنا سرپرست بناتے ہیں۔ کبھی کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنانا اور اگر تم نے ان کو اپنا ولی بنا لیا تو پھر تمہارا اللہ سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔

إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً (سورہ آل عمران، آیت ۲۸)

”مگر یہ کہ تمہیں اپنی جان بچانا مقصود ہو، خوف کا ماحول ہو۔“

بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ تقیہ کا جو لفظ ہے وہ جھپٹا پہلے تَقِيَّةٌ حاکم تَقِيَّةٌ سے تَقِيَّةٌ ہو گیا۔

علامہ فخر الدین الرازی بیان کرتے ہیں کہ معنوں کے لحاظ سے تَقِيَّةٌ اور

تَقِيَّةٌ میں کوئی فرق نہیں۔ چاہے تَقِيَّةٌ کا لفظ استعمال ہو چاہے تَقِيَّةٌ کا لفظ ہو، معنی ایک ہیں۔

اور اسی آیت کے ذیل میں صحیح بخاری کی حدیث ہے باب کا نام ہے باب الاکراه۔ اس میں حدیث موجود ہے کہ تَقِيَّةٌ مراد ہے وہی تَقِيَّةٌ تَقِيَّةٌ ہے۔ بخاری شریف میں موجود ہے کہ اس آیت کریمہ میں تَقِيَّةٌ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح قرآن میں دوسری آیت موجود ہے کہ جناب عمارؓ جو تھے ان کو کافروں اور مشرکوں نے پکڑ لیا۔ ان کے باپ کو قتل کر دیا، ان کی ماں کو شہید کر دیا اور ان کو اتنی اذیتیں دیں کہ گرم پانی میں ان کا سر بھگوتے تھے اور جہاں تک سانس ان کی، دم کھینچ لیا تھا۔

جب اتنی اذیتیں دیں اور کہا کہ تم رسول اللہ سے اظہارِ ہزاری کرو اور بتوں کی تعریف کرو، مجھ کو برا کہو اور بتوں کو اچھا کہو۔ ساری تفسیریں دیکھ ڈالیں کہ جناب عمارؓ نے ان کے کہنے کے مطابق جیلے جو کھلائے تھے وہ جاری کر دیئے۔ تمام شیعہ و سنی سب تفسیروں میں موجود ہے۔ سب جیلے اپنی زبان پر جاری کر دیئے۔ اس کے بعد انہوں نے چھوڑا تو جناب عمارؓ روئے ہوئے جناب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی زبان پر کفر کے کلمات جاری کر دیئے، میرا کیا انجام ہوگا، اس وقت آیت کریمہ اُتری کہ کفر کا اعلان جائز نہیں مگر یہ کہ

إِلَّا مَن أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ (سورہ نمل: ۱۰۶)

مگر یہ کہ کسی کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو، کسی کے ساتھ ظلم کیا گیا ہو، مگر اس کا دل صحیح ہے وہ ایمان کے اوپر مطمئن ہو تو حالتِ خوف میں وہ تَقِيَّةٌ کر سکتا ہے۔

ان آٹھوں کے ذیل میں علامہ محمد رفیع الدین رازی جن کی تفسیر کبیر ہے، جس میں ان آٹھوں کے ذیل میں لکھا ہوا ہے کہ ان آٹھوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم خوف میں، اگر جان و مال کا خوف ہو تو اس کے لیے قبیحہ کرنا جائز ہے۔ تو قرآن بھی کہہ رہا ہے کہ قبیحہ ہے مگر بخاری بھی کہہ رہی ہے کہ قبیحہ ہے، اور علماء مفسرین بھی کہہ رہے ہیں کہ قبیحہ ہے مگر صرف ایک بہتان لگا دیا گیا ہے کہ شیعہ جھوٹ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ دین کا حق ہے جھوٹ بولنا۔

آپ یاد کریں کہ جھوٹ بولنا جائز نہیں بلکہ کبھی کبھی جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔ تو جو کہتے ہیں کہ قبیحہ جھوٹ ہے، اگر کوئی دشمن ان کے گھر داخل ہو جائیں اور آپ نے اپنے بیٹے کو ایک کٹھڑی میں چھپا لیا اور انہوں نے بددوق رکھ کر پوچھا کہ بتاؤ تمہارا بیٹا کہاں ہے؟

مجھے بتائیے کہ اب قبیحہ کریں گے یا نہیں کریں گے؟

معلوم ہے کہ گھر کے اندر ہے مگر پھر بھی جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہے ہیں اور جھوٹ بولنا کوئی قابلِ مذمت نہیں ہے کیونکہ اس کی جان بچانا مقصود ہے تو یہاں پر اگر جان و مال کا معاملہ آجائے تو جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔ عبادات بھی چھوڑی جاسکتی ہیں کہ اگر جان کا خطرہ ہو۔

آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور کوئی ڈوب رہا ہے اور اب واجب ہے نماز توڑنا، اور چاکر اس ڈوبنے کو بچاؤ۔ اس کا مطلب ہے کہ نماز چھوڑنا واجب ہے، کسی کی جان بچانے کے لیے۔ اگر بیماری کا خطرہ ہے تو وضو نہیں کر سکتے۔ اگر بیمار ہے اور وضو کا پانی نقصان کر رہا ہے تو پھر اگر وضو کر لیا تو پھر نہ وضو صحیح نہ نماز صحیح۔ کیونکہ مجھے اتنی عزیز اپنی عبادتیں نہیں ہیں کہ جتنی تمہاری جان، اپنی جان بچاؤ، نماز چھوڑ دو۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اسلام میں انسانی جان کی اتنی اہمیت ہے اسی لیے قرآن نے اجازت دی، رسولؐ نے اجازت دی کہ اگر تمہاری جان کا خطرہ ہو تو خلاف عقیدہ باتیں اپنی زبان پر جاری کر سکتے ہو، یہی تقیہ ہے۔

قرآن کی تیسری آیت پیش کرتا ہوں: جب جناب موسیٰؑ فرعون کے دربار میں پہنچے تو فرعون سے کہا کہ اللہ کو مان لو، تو فرعون نے کہا کہ میری عی گود میں تم نے پرورش پائی، تم نے میری آغوش میں پرورش پائی۔

قدرت کو اعلان کرنا چاہیے تھا کہ نبیؐ کو پرورش دینے والا نہیں ہوں۔ فرعون کہہ رہا ہے کہ میں نے پرورش دی تھیں، قرآن نے تردید نہیں کی، کیونکہ کافر کا عمل ہے اور قدرت کسی کافر کے عمل کو اپنی طرف سے منسوب نہیں کرتی۔ جناب موسیٰؑ کو پرورش دی فرعون نے، قرآن نے تردید نہیں کی۔

جناب ابوطالبؓ نے رسولؐ کو اپنی آغوش میں پرورش دی تو قرآن نے اعلان کیا:

أَلَمْ يَجِدَكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ

اس کے بعد قرآن اعلان کرتا ہے کہ فرعون نے کہا کہ میری آغوش میں پرورش پائی تم نے، جملے ہیں فرعون کے۔

وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ

فرعون کہہ رہا ہے جناب موسیٰؑ سے کہ تم تو کافر تھے، میرے محل میں تھے، اے، دن فرعون کے محل میں رہے۔ جناب موسیٰؑ، فرعون سمجھتا رہا کہ کافر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب موسیٰؑ نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں نبی ہوں۔ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں اللہ کا نمائندہ ہوں۔

اسی لیے فرعون کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ تم تو کافر تھے، میری ہی آغوش میں پرورش پائی، میرے ہی گھر میں رہے، مجھ سے زیادہ تمہیں کون پہچانے گا۔ یہ اللہ کا نام کیوں لے رہے ہو۔

تمام تفسیروں نے لکھ دیا کہ فرعون جھوٹا تھا، کوئی نیا کافر نہیں ہو سکتا اور یہ جو حالت کفر میں رہ رہے تھے تو وہ حالت تقیہ میں تھے، جناب موسیٰ۔

ایک مثال پیش کر دوں کہ ایک بہت مشہور کتاب ہے ہمارے مسلک کے خلاف، تحفہ اشاعرہ۔ اس میں ایک پورا باب ہے تقیہ کے خلاف کہ تقیہ جھوٹ ہے، تقیہ منافقت ہے، بے ایمانی ہے، تقیہ اسلام کے خلاف ہے۔

لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ آج یہ کتاب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نام سے لکھی ہوئی ملے گی، لیکن جب پہلی دفعہ یہ کتاب منظر عام پر آئی تو اس میں مصنف کے نام میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نہیں تھا۔

وہ پہلا ایڈیشن جو آج بھی لائبریریوں میں موجود ہے تو جب پہلی مرتبہ یہ کتاب شائع ہوئی تو مصنف کے نام عبدالعزیز کی جگہ یہ نام تھا حافظ غلام سلیم ابن قطب الدین۔

بعد میں جب راز کھلا کہ ان کی لکھی ہوئی، تو پوچھا گیا کہ اپنا نام کیوں نہ لکھا، کہا: لوگ دشمن ہو جاتے، مخالف ہو جاتے، لہذا میں نے اپنے نام سے نہیں بلکہ ایک ایسے نام سے جس کا کوئی وجود نہ تھا، اس کے نام سے لکھی۔ تو تقیہ کے خلاف پورا باب لکھ رہے ہیں مگر جان پہچانے کے لیے خود تقیہ کر رہے ہیں۔

اور اب جو جھگڑتی ہے تو اس میں شاہ عبدالعزیز ہے، تو یہ ہے تقیہ، ایک ہوتا ہے زبانی تقیہ، ایک ہوتا ہے عملی تقیہ، عملی تقیہ کہاں کہاں ہوا، ارے! دشمنوں کی جب

آہٹ سنی، جب یہ پتہ چلا کہ دشمن بیچھا کر رہے ہیں تو بہادری کا تقاضا یہ تھا، سامنے ڈٹ جاتے مگر فار میں چھپ جانا خود تقیہ ہے۔ جان بچانے کے لیے فار میں پناہ لینا، آج بھی فار ٹور موجود ہے مگر وہاں جانا حرام ہے کہ کہیں تقیہ سمجھ میں نہ آجائے۔ رسولؐ اور ایک صحابی ساتھ میں گئے اور فار میں چھپے اور اس کے بعد جب آگئے دشمن، اور گفتگو کی آواز سنی کہ اس میں چھپے ہیں تو اگر تقیہ کی مخالفت تھی تو وہیں سے کہہ دینا چاہیے تھا کہ آ جاؤ ہم یہی ہیں۔

لیکن رسولؐ بھی تقیہ فرما رہے ہیں، صحابی رسولؐ بھی تقیہ فرما رہے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ کا اعلان کے ہم نے وہاں پر مکڑی کا جالائن دیا، کبوتروں نے اٹھ دے دیئے تاکہ بات ان کے اوپر پوشیدہ ہو جائے۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تقیہ سیرت صحابہ بھی ہے، تقیہ سیرت رسولؐ بھی ہے۔ وہ تقیہ اللہ کی سنت بھی ہے۔ تقیہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور انسان ہر خطرے کے موقع پر، چاہے کسی مسلک کا انسان ہو، تو تقیہ کرتا ہے اور خود جو تقیہ کے مخالف ہیں وہ آج بھی تقیہ عملی کرتے ہیں۔ اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

۲۶ جنوری کو دیکھئے گا کہ تعزیر کی تعظیم بدعت، مضرع بدعت، قبر رسولؐ کی تعظیم بدعت۔ ان تمام چیزوں کی تعظیم جو ہے وہ بدعت ہے۔ کبھی غیر اللہ کی تعظیم نہ کرنا ورنہ شرک ہو جائے گا۔ کبھی غیر اللہ کی تعظیم نہ کرنا، ورنہ بدعت ہو جائے گی مگر دیکھ لیجئے ۲۶ جنوری کو ہندوستان کا پرچم جب بلند ہو، جب ہندوستان کا جھنڈا بلند ہوگا تو دیکھئے گا کہ کون اٹھتا ہے، کون نہیں اٹھتا۔

دیکھ لیجئے گا کہ شرک اور بدعت کہنے والے، ادھر ہندوستان کا جھنڈا بلند اور وہ اٹھ اٹھ کر تعظیم احترام کر رہے ہوں گے۔

ارے اتم کیوں تعظیم کر رہے ہو، کیا یہ شرک نہیں؟ کیا یہ بدعت نہیں؟ تو وہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو تعظیم کے لیے انھیں ہندوستان کے پرچم کی۔ یہ نہیں کہ کوئی بیچارہ جائے، ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی بیچارہ جائے سب تعظیم کے لیے اُٹھتے ہیں۔

تو پوچھنا یہ جائے اس سے کہ بھی تعظیم کے لیے کیوں اُٹھ رہے ہیں؟ تو اگر وہ واقعا قابل تعظیم ہے آپ کے لیے تو پوچھنا کیوں قابل تعظیم ہے؟ کہا: اس لیے قابل تعظیم ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا پرچم ہے، ہمارے ملک کی آزادی کا پرچم ہے، اس لیے ہم اس کی تعظیم کرتے ہیں۔

تو مجھے اتنا متا دہیجے کہ اگر ہندوستان کی آزادی کا پرچم ہو، اس کی تعظیم ہو رہی ہے، اور جو اسلام کی آزادی کا پرچم ہے، جو انسانیت کی آزادی کا پرچم ہے، جو قرآن کی آزادی کا پرچم ہے، علم حضرت عباسؓ کی تعظیم شرک کیوں ہے؟ اس کی تعظیم بدعت کیسے ہو گئی؟ اور اگر تعظیم نہیں کر رہے ہو تو اٹھنا تقیہ ہوگا۔

ایک اور مسئلہ ہے اور وہ نئے مسئلہ بداء تو اس کے لیے عرض کر دوں کہ قرآن میں بھی ہے۔ حدیث میں بھی ہے، سیرت صحابہ بھی ہے، سیرت رسولؐ بھی ہے، اسی طرح سے بداء بھی ہے..... (صلوٰۃ)

ذکر مصائب

تو وہ علم جو اسلام کی نشانی ہے، وہ علم جو کربلا کی علامت ہے، وہ علم کہ جو کربلا میں ایک بار گرا اور اس کے بعد اٹھا اور ہمیشہ کے لیے بلند رہے گا، جو کہ اسلام کی آزادی کا علم ہے، یہ دین کی آزادی کی علامت ہے، یہ انسانیت کی آزادی کی

علامت ہے، یہ ظلم کے خلاف انقلاب کا علم ہے، لہذا یہ کبھی جک نہیں سکتا جس کے لیے ہمارے آقا نے اپنے دونوں ہاتھ قربان کر دیے۔

آج تذکرہ جناب عباس کا کرنا ہے۔ روایت کتنی ہے کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے، تو آنکھ نہیں کھول رہے۔ ماں اُم البنین گھبرا گئیں کہ میرا بیٹا مریض تو نہیں ہے، آنکھوں میں تکلیف تو نہیں ہے۔ مولا علی کو خبر ہوئی، مولا علی تشریف لائے۔ ماں نے گھبرا کر کہا:

اے آقا! بچہ آنکھیں نہیں کھول رہا، تو مولا علی مسکرانے لگے اے اُم البنین! گھبراؤ نہیں، پریشان نہ ہو۔

ارے! جب میں پیدا ہوا تھا تو میری ماں بھی گھبرا گئی تھی۔ تین دن تک میں نے آنکھ نہیں کھولی تھی، میری ماں گھبرا گئی تھیں لیکن جیسے ہی میں آنکھیں کھول دیں، آہ، میں نے چہرہ رسالت کی زیارت کی۔ مجھے معلوم ہے کہ میرا بیٹا آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا، میرے لال حسین کو بلاؤ۔ امام حسین تشریف لاتے ہیں۔ آنکھیں حسین میں جیسے ہی عباس آئے فوراً آنکھیں کھولیں اور پہلی مرتبہ چہرہ حسین کی زیارت کی۔ تاریخ انسانیت میں آپ کو کوئی شخصیت ایسی نہیں ملے گی کہ جس کے ہاتھ تین معصوموں نے چومے، یہ صرف اور صرف جناب عباس کی خصوصیت ہے کہ عباس کے ہاتھوں کو امیر المومنین نے بوسہ دیا، عباس کے ہاتھوں کا بوسہ امام حسن نے لیا اور انہی ہاتھوں کا بوسہ امام حسین نے لیا۔ کیونکہ سچی وہ ہاتھ ہیں جو اسلام کی حفاظت میں کٹ گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ اُم البنین جناب عباس کی کنسی کا عالم ہے، روزِ رسول پلے گئیں، قبر کے قریب پہنچیں اور عباس سے کہا: بیٹہ جاؤ، خود بھی بیٹہ گئیں

اور کہا: اے عباس! ایک ہاتھ قبر پر رکھ۔ جانتے ہو کس کی قبر ہے؟ کہا: رسول اللہ کی قبر ہے۔ تانا رسول کی قبر ہے، اللہ کے رسول کی قبر ہے۔ ایک ہاتھ اس پر رکھو اور ایک میرے سر پر رکھو اور میرے سفید بالوں کی قسم کھاؤ اور اس قبر والے کی قسم کھاؤ کہ دیکھو

”دیکھی حسین کو اپنا بھائی نہ کہتا۔ ہمیشہ آٹا کہتے رہتا اور شہزادی نعت کو کبھی اپنی بہن نہ کہتا، ہمیشہ آکا زادی کہتا اور کبھی لٹا آٹھا کہ نہ دیکھتا، ہمیشہ لٹا جھکائے رہتا ورنہ میں دودھ نہ بخشوں گی۔“

ایسی آغوش میں جناب عباس کی پرورش ہوئی ہے۔
جناب نعت کبھی نہیں: بسیا عباس ماتم لکھیں کہیں نہیں اٹھاتے۔
کہا: ماں قسم دلوا چکی ہیں، ماں کہہ چکی ہیں کہ دودھ نہ بخشوں گی۔ اس طرح سے جناب عباس کی پرورش ہو رہی ہے۔

ایک واقعہ ہے کسی کا عالم ہے کہ امام حسینؑ نے کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ جناب عباسؑ دوڑتے ہیں، پانی لے کر خدمت میں پہنچے جیسے ہی یہ مٹھ دیکھا، امام حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ننھے سے عباسؑ گھبرا گئے، پریشان ہو گئے۔ اے آٹا کوئی خطا ہو گئی مجھ سے، کوئی قصور ہو گیا؟

کہا: نہیں۔ لیکن اس وقت جب میں نے تمہیں آواز دی ویسے ہی تم دوڑ کر آ گئے۔ ایک وقت ایسا ہو گا میں تمہیں پکار رہا ہوں گا، میں تمہیں آواز دے رہا ہوں گا مگر تم جواب نہ دو گے۔

کسی کا عالم تھا، بچپنا تھا، جناب عباسؑ یہ سمجھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سو رہا ہوں گا اور میرا آٹا مجھے پکارے اور میں جواب نہ دے سکوں۔

روایت کتنی ہے کہ جناب عباسؑ نے بستر پر جانا چھوڑ دیا، سونا ترک کر دیا، ایک رات گزری، عباسؑ نہیں سوئے۔ دوسری رات گزری نہیں سوئے۔ تیسری رات گزری نہیں سوئے۔ یہاں تک کہ سات راتیں گزر گئیں، جناب عباسؑ نہیں سوئے۔ جناب نعبؑ کی نظر پڑی، کسں بھائی ہے مگر عالم یہ ہے کہ چہرے کا رنگ زرد ہے، بدن پر قحطری ہے، آنکھیں بے خوابی سے لال ہیں۔

گھبرا کر پوچھا: بھیا عباسؑ! تمہارا کیا حال ہے۔ پہلے تو نہیں دیا، مگر جب جناب نعبؑ نے اپنے حق کی قسم دی، اے بھیا! تجھے میرے حق کی قسم بتاؤ تو جناب عباسؑ نے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یہی وجہ ہے کہ سات راتیں گزر چکی ہیں۔ میں سویا نہیں ہوں۔

جناب نعبؑ امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچیں، کہا: اے بھیا! آپ نے میرے چھوٹے سے بھیا عباسؑ کو کیا کہہ دیا کہ سات دن گزر گئے ہیں، میرا بھیا سویا نہیں۔ حسینؑ نے سر پیٹ کر کہا: اے بھیا! یہ تمہاری زندگی کا واقعہ نہیں ہے، میں تمہیں پکار رہا ہوں گا، میں کون کا میرا علم دار کہاں ہے۔

میں عزادار ہوں

عباسؑ حسینؑ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: مولاً! امرنے کی اجازت دیجیے۔

کہا: اے عباسؑ! تم تو میرے لشکر کے علم دار ہو۔

عباسؑ نے دائیں بائیں دیکھ کر کہا کہ اے بھیا! وہ لشکر کہاں ہے، جس کا میں علم دار تھا۔ جناب عباسؑ کو اجازت نہیں ملی، خیمے میں گئے۔ اپنی زوجہ لبابہ سے ملاقات کی۔ دیکھا کہ لبابہ کے سر کے بال کھلے ہوئے ہیں۔

کہا: اے لبابہ! ابھی تو میں زندہ ہوں، تم نے سر کے بال کیوں کھول دیئے؟

فرماتی ہیں کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے کہ سیکندہ بار بار آتی ہے، ہاتھ میں خالی کورہ لیے ہوئے، اسے چچی جان! پیاسی ہوں، چچا کے ہوتے ہوئے میں پیاسی ہوں۔

اے عباس! آپ پانی کا انتظام کیجیے۔ کہا: سیکندہ کو بلا لاؤ، سیکندہ آئیں۔ سیکندہ کو کہا کہ یہ مکان اپنے ہاتھ میں لے لو، دونوں ل کر امام حسین کی خدمت میں آئے تو امام حسین نے فرمایا: اے عباس! کیا سفارش لے کر آئے ہو؟

میں عزادار ہوں

امام نے کہا: جاؤ عباس! عباس گئے اور فرات پر قبضہ کر لیا۔ مکان سیکندہ بھری، پانی لے کر پلٹے، دشمن نے چاروں طرف سے گھیرا۔ مگر سامنے آنے کی ہمت نہیں ہے لہذا چاروں طرف سے حملہ ہوا۔ عباس کا ایک بازو کاٹ گیا، اب ایک ہاتھ ہے جس میں علم بھی سنبھالنا ہے، نیزہ بھی سنبھالنا ہے، مکان سیکندہ بھی سنبھالنا ہے۔

عباس آگے بڑھے، پھر حملہ ہوا۔ دوسرا بازو بھی قلم ہو جاتا ہے۔ وفادار عباس نے علم کرنے نہیں دیا، نیزہ کرنے دیا، مگر مکان سیکندہ نہیں گری۔

اب حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا عباس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور آگے بڑھ رہے تھے۔ چار ہزار تیر ایک ساتھ چلے۔ پورا جسم چھلٹی ہو گیا، مکان سیکندہ پر تیر لگے، پانی بہہ گیا۔ کسی نے سر پہ ضرب ماری۔ عباس زمین پہ گرے۔ آواز دی: آقا! خبر لیجیے۔ حسین دوڑتے ہوئے پہنچے۔ عباس کا سراپا گود میں رکھا، عباس نے اپنا سر چلتی ہوئی خاک پر رکھ دیا۔

حسین نے کہا: عباس یہ کیا ہے؟

عباس نے کہا: آقا دل نہیں مانتا، غلام کا سر آقا کی گود میں کیسے ہو؟ آقا

جب آپ گھوڑے سے زمین پہ آئیں گے تو آپ کا سر کون اپنی گود میں رکھے گا؟ ایک وڈیو فلم میں میں نے دیکھا کہ جس میں عباسؑ کی قبر دکھائی گئی، قبر بہت چھوٹی تھی۔ تاریخ کہتی ہے کہ جناب عباسؑ طویل قد کے تھے کہ جب گھوڑے پر بیٹھتے تھے تو پھر زمین پہ لگ جاتے تھے مگر اتنی چھوٹی قبر کیوں؟ جب عباسؑ زمین پر گرنے کو پھر سجدہ گھوڑے کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا اور فوج والوں سے خطاب کیا:

اے فوج والو! بتاؤ کسی نے علیؑ سے انتقام لینا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا کہ جس کے باپ کو، جس کے دادا کو، جس کے بھائی کو علیؑ نے قتل نہ کر دیا ہو۔ علیؑ سے انتقام لینا چاہتے ہو؟

پورے لشکر نے کہا: ہاں بدلہ لینا ہے مگر ہمیں علیؑ کہاں ملیں گے؟

کہا: یہ علیؑ کا لاڈلا عباسؑ، آج اس سے اپنا انتقام لے لو، بھاگا ہوا لشکر پھٹا۔

ہر ایک کے ہاتھ میں تلواریں تھیں، کربلا کی زمین پر بکھر گیا۔ اس لیے حسینؑ ہر شہید کا لاشہ لائے مگر عباسؑ کا لاشہ نہ لاسکے۔ صرف علم لے کر پہنچے، خیمے میں علم پہنچا۔ اس لیے جب جناب عباسؑ کی یاد مناتے ہیں تو تابوت نہیں ہوتا، ہر شہید کا تابوت ہم اٹھاتے ہیں مگر عباسؑ کا علم ہوتا ہے کیونکہ تابوت ان کا ہوتا ہے جن کے لاشے اٹھیں۔ عباسؑ وہ ہیں کہ جن کی لاش نہ اٹھی۔ حسینؑ علم لے کر پہنچے۔ درمیان میں علم رکھ دیا۔ بیویوں نے گھیر لیا۔ ہائے عباسؑ!



مجلس نہم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

- * اپنے عقیدے کے خلاف تو امام حسینؑ نے قیام کیا؟
- * یہ امام تو امام حسینؑ کا غم مٹانے کے لیے ہیں اس میں یہ مظاہرہ کیسا؟
- * ہر دن عاشورہ ہے اور ہر زمین کربلا ہے
- * شیعیت کا عقیدہ ہے کہ اللہ محاذ اللہ جابل ہے
- * اگر دس دن کا اضافہ نہ ہوتا تو قوم کا احسان نہ ہوتا
- * سجدہ گاہ پر کیوں سجدہ کرتے ہیں یہ شرک ہے
- * کربلا کی خاک پر سجدہ کیوں کرتے ہو؟

ذکر مصائب

..... * شہادت جناب علی اصغرؑ بن حسینؑ

مجلسِ نہم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ قَاسِمًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَبِرَآءَاتِ مُنِيرًا ۝ (سورة الاحزاب

(۳۶-۳۵)

جس طرح میں نے کل تقیہ کے بارے میں گفتگو کی کہ قرآن سے بھی تقیہ ثابت ہے، جناب موسیٰ کا تقیہ کرنا، خود رسول اللہ فاروق میں چھپ گئے تو یہ بھی تقیہ ہوا، اللہ نے مکاری کا جالاً بن دیا، کیونترنے اطرے دے دیئے۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت بھی عملاً تقیہ فرما رہی ہے۔ تو تمام چیزیں ہیں جو پیش نظر ہیں لیکن ایک بات کہی جاتی ہے اور وہ بہت اہم بات ہے جو میں کہتا چاہتا ہوں، تقیہ کے مسئلہ پر بہت اہم چیز ہے کہ جب جان بچانا خطرے میں واجب ہے، عقیدے کے خلاف اظہار کر سکتا ہے، قرآن کی بھی اجازت ہے، حدیث سے بھی ثابت ہے اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔

تو جب اپنے عقیدے کے خلاف بات کر سکتا ہے، اور عمل کر سکتا ہے، اپنے عقیدے کے خلاف تو امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہیں کیا؟ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں

کہ جان بچانا واجب ہے۔ مہاتروں کا حکم بدل جاتا ہے۔ مُردار کھانا حرام ہے، نجس ہے۔ مگر اگر جان بچانا محصر ہو اس پر، تو اب اجازت ہے یعنی حلال جانور ہے مگر بطور حلال کیے مر گیا ہے، وہ مرا ہوا ہے، اس کو نہیں چھو سکتے، نہیں کھا سکتے، لیکن اگر جان بچانا محصر ہے اس پر، تو شریعت نے اجازت دی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے جان بچانا اتنا اہم ہے کہ اپنے علاقہ کے خلاف بات کر سکتا ہے، مگر پھر امام حسینؑ نے قیہ کیوں نہیں کیا؟

قیہ واجب ہے، کہیں جائز ہیں اور قیہ کبھی کبھی حرام بھی ہو جاتا ہے۔ جہاں واجب ہے، کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں واجب ہے۔ کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں جائز ہے، واجب نہیں۔ قیہ کرو یا نہ کرو۔ کر بھی سکتے ہو اور نہیں بھی کر سکتے اور ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں قیہ کرنا حرام ہے، جہاں دینا واجب ہو جاتا ہے اور وہی مقام مقام کر بلا ہے تو اسی لیے امام حسینؑ نے قیہ نہیں کیا کہ اگر امام حسینؑ قیہ کر لیتے تو اسلام مٹ جاتا، شریعت ختم ہو جاتی۔

اس لیے شہر زیدی کا تذکرہ ایک مرتبہ پھر کر دوں کہ اس موقع کے اوپر جب عالم سامنے موجود ہے اور پتہ ہے کہ اس کے بعد ہاتھ آنے والا نہیں، تو اس وقت قیہ کرنا حرام ہے۔ جو تارنا واجب ہے..... (صلوٰۃ)

بعض لوگوں نے کہا کہ جناب یہ جو اسرائیل کے خلاف احتجاج ہوا ہے وہ محرم میں کیوں ہوا؟ یہ ایام تو صرف ماتم کرنے کے لیے ہیں، یہ ایام تو امام حسینؑ کا غم منانے کے لیے ہیں اس میں یہ مظاہرہ کیا؟

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ طوطے کی طرح واقعات کر بلا انہوں نے رٹ لیے ہیں، سمجھے نہیں کہ کر بلا ہے کیا؟ ان کو معلوم ہی نہیں کہ کر بلا ہے کیا؟

ارے! جب تم یہ کہہ رہے ہو کہ ظلم کے خلاف مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے تھا صرف غم مناتے رہو، ماتم کرتے رہو، یہ مظاہرہ غم امام حسینؑ کے خلاف ہے تو پھر دیکھو کہ آئندہ کسی ستم کے سر پر ہاتھ نہ پھیرنا کیونکہ غم حسینؑ کے خلاف نکلے گا۔ کسی مظلوم کی کبھی مدد نہ کرنا، کوئی تنہا سا بچہ سڑک پار کرنا چاہے تو اس کو سڑک پار نہ کرنا، کر بلا کے دوران۔

کر بلا کو سبجے ہی نہیں۔ کر بلا کا مقصد کیا ہے؟ نہیں سبجے مقصد شہادت حسینؑ سے واقف نہیں۔ اس لیے امامؑ کا ارشاد ہے، کسی کا ارشاد ہے؟ کبھی کبھی جاہل لوگ اعتراض کر دیتے ہیں۔ کسی نے کہا:

كُلُّ يَوْمٍ عَاشُورَاءُ كُلُّ اَرَضٍ كَرْبَلَا

یہ چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ کم عقیدہ کوئی کہہ سکتا ہے، کسی اور امامؑ کی طرف سے ارشاد ہوتا تو کوئی کم عقیدہ کہہ سکتا تھا کہ کیونکہ کر بلا کے واقعات میں شریک نہیں ہوئے لیکن یہ وہ امامؑ کہہ رہا ہے کہ جنہوں نے کر بلا کے سارے مصائب کو برداشت کیا، ان کا فرمان ہے:

”ہر دن عاشورہ ہے اور ہر زمین کر بلا ہے۔“

ہم سب جب کہتے ہیں کہ کاش ہم کر بلا میں ہوتے مگر سمجھ کر نہیں کہتے۔ اگر کر بلا اتنی ہی آسان ہوتی تو لاکھوں شیعہ ہوتے کر بلا میں، ۷۲ نہ ہوتے۔

اگر کسی صاحب کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ انہیں ۱۰ ہزار روپے کی ضرورت ہے لہذا اب انہیں دُور سے آتا ہوا میں دیکھوں گا تو پاس کی گلی میں مڑ جاؤ گا کہ کہیں ملاقات ہو تو کہیں مانگ نہ لے۔

لیکن کسی نے بتایا کہ انھیں کسی نے دے دیے ہیں، اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اب انھیں ضرورت نہیں ہے، اب خطرہ ٹل چکا ہے، لہذا سامنے سے دکھائی دیے تو ہم خود ہی لپک پڑے، قریب پہنچے، کیا حال ہیں آپ کے، حراج کیا ہے؟ سنا ہے آپ کو کوئی پریشانی تھی، ہم کو کیوں نہیں بتایا آپ نے، میں آپ کی ساری مشکل حل کر دیتا۔ کیوں کہ اب معلوم ہے کہ ان کی کوئی مشکل نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب یہ سمجھتا ہے کہ مشکل ٹل گئی، تو اب کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہہ دیتے ہیں کہ ”کاش ہم ہوتے کر بلا میں“۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ دوبارہ کر بلا ہونا نہیں ہے، نہ کر بلا ہوگی نہ ہمیں جان دینا ہوگی۔ حالانکہ کہنے میں کیا حرج ہے۔

مگر انام نے فرمایا: یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری زندگی ختم ہو گئی۔

كُلُّ يَوْمٍ عَاشُورَةٌ كُلُّ أَرْضٍ مَكْرَبَةٌ

قیامت تک تمہارا امتحان لیا جاتا رہے گا، قیامت تک تم کو ثابت کرنا ہوگا کہ ”تم یزیدی ہو یا حسینی ہو“۔

ہردن عاشرہ اور ہردن کر بلا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہردن میں یزید موجود ہیں گے، اب تمہارا امتحان ہوگا کہ تم حق کا ساتھ دیتے ہو یا باطل کا ساتھ۔ مظلوم کا ساتھ دیتے ہو یا ظالم کا ساتھ۔ اگر ظالم کا ساتھ دیا تو تمہارا شمار یزیدیوں میں ہوگا اور اگر مظلوموں کا ساتھ دیا تو تم آج بھی کر بلا والے ہو۔

اور یہی مختصر یزیدی نے اپنے کردار کے ذریعہ سے ثابت کیا ہے جو آج ان کا نام لینے میں شرم محسوس کر رہے ہیں کہ کہیں آقا ناراض نہ ہو جائیں۔

ایک اعتراض یہ ہے کہ شیعیت کا عقیدہ ہے کہ اللہ معاذ اللہ جاہل ہے، وہ

مستقبل کے حالات سے ناواقف ہے۔ لہذا وہ اپنے فیصلے بدلہ کرتا ہے۔ یہ شیعہ مسلک پر الزام ہے کہ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کو مستقبل کا علم نہیں ہے اللہ نہیں جانتا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ لہذا وہ فیصلہ کرتا ہے جب اسے کسی خرابی کا علم ہوتا ہے تو اپنا فیصلہ بدلتا ہے اور شیعہ اسی بات کا عقیدہ رکھتے ہیں اس کو مسئلہ بداء کہتے ہیں یعنی یہ معاذ اللہ اللہ کی جہالت کے قائل ہیں۔

یہ الزام لگایا جاتا ہے اور اس کی مثال پیش کی جاتی ہے کہ چھٹے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند کے بارے میں مثال دی جاتی ہے کہ پہلے اللہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ امامت آپ کے بیٹے اسماعیل کو ملے، مگر جب اسماعیل کے بارے میں پتہ چلا کہ امامت کے اہل نہیں ہیں تو فیصلہ بدلہ اور پھر امام موسیٰ کاظم کو امام بنایا۔

یہ الزام سخت ہے نہ کسی شیعہ کا یہ عقیدہ ہے اور نہ کسی امام نے فرمایا بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ”زمانے کی مصلحت کے لحاظ سے اللہ حکم میں تبدیلی فرماتا رہا ہے“ اور اگر معاذ اللہ ہم مان لیں کہ اللہ کوئی حکم دے اور پھر غلطی کا احساس کر کے اس حکم کو بدل دیتا ہے، تو پھر شریعتیں کیوں بدلیں؟

ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ علماء نے بیان یہ کیا ہے: ”جیسا زمانے کی مصلحت ہوتی ہے ویسے وہ حکم دیتا ہے اس کے بعد مصلحت کے تحت حکم کو بدلہ ہے۔“

اور اس کی قرآن مجید میں مثالیں موجود ہیں۔ کبھی کبھی امتحان لینے کے لیے پہلا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد جب امتحان ہو چکا ہوتا ہے تو حکم میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ مجھے یہ بتائیے کہ جناب ابراہیمؑ کو حکم نہیں تھا کہ ذبح کرو۔

جناب ابراہیمؑ کو حکم تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو اور جب جناب ابراہیمؑ

پوری طرح سے آمادہ ہو گئے، پتی ہائے لی، چھری قھام لی اور چھری چلا بھی دی۔ تو اب بجائے اسماعیل کے ذنبہ آ گیا۔ تو حکم تبدیل ہوا یا نہ ہوا، حکم میں تبدیلی ہوئی یا نہ ہوئی کہ پہلے اسماعیل کے ذبح کا حکم ہوا اور بعد میں حکم واپس لے لیا۔

یہ فیصلہ اس لیے نہیں بدلا کہ معاذ اللہ آگے کا علم نہیں تھا بلکہ پہلا حکم اس لیے تھا۔ ابراہیم کو اسماعیل کی ایثار و قربانی کے جذبے کو دنیا پہ ظاہر کرے کہ دیکھو میرے بندے ایسے ہیں، یہ میرے محبت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ابراہیم ذبح کرنے کے لیے آمادہ ہیں اور اسماعیل ذبح ہونے کے لیے آمادہ ہیں۔ جب یہ دنیا پر ثابت ہو گیا تو پھر اسماعیل کو اللہ نے بچا لیا کیونکہ آگے قربانی ہونے والی تھی۔

تو بتائیے کہ فیصلہ بدلا یا نہیں بدلا؟ قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ نے اپنا فیصلہ بدلا۔ جناب یونس کے سلسلہ میں قرآن میں موجود ہے کہ کہہ دیا تھا کہ تین دن میں عذاب آنے والا ہے، تو کیا اپنی طرف سے کہا تھا؟ بلکہ اللہ نے اطلاع دی تھی، اللہ نے باخبر کیا تھا، کہ کہہ دوا کہ تین دن میں عذاب آنے والا ہے۔

تو جناب یونس اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن جب چوتھے دن واپس آئے تو پالنے والے حیرے ہی حکم پر میں نے اطلاع دی تھی اور یہ مجھے جھٹلا رہے ہیں۔ میرا مذاق اڑا رہے ہیں تو اعلان ہوا: اے یونس! تم جموئے نہیں ہو، تین دن میں عذاب آنے والا تھا، یہ جہاد ہونے والے تھے، بر باد ہونے والے تھے، میرا فیصلہ یہی تھا مگر اس طرح سے انہوں نے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔

تو فیصلہ بدلا یا نہیں بدلا؟..... (صلوٰۃ)

بلکہ عذاب کا اس لیے تھا کہ وہ گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور قرآن میں واقعہ ثبت ہو جائے کہ دیکھو اگر تم عذاب کے مستحق بن رہے ہو، تو میری طرف سے تمہیں

یہ موقع دیا جا رہا ہے، اگر عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اسی طرح گڑبڑا کر دعا مانگو کہ جس طرح قوم یونس نے مانگی تھی۔

تو دعاؤں کی مثال قائم کرنا تھی اس لیے قدرت نے پہلے عذاب کا حکم دیا، پھر عذاب واپس لے لیا۔ اس طرح تیسری مثال قرآن سے پیش کرتا ہوں، قرآن اعلان کر رہا ہے کہ

”ہم نے موسیٰ سے کہا کہ آؤ کو وطود پر ۳۰ دن کا روزہ رکھو۔ جناب موسیٰ اپنے ۷۰ ساتھیوں کو لے گئے کو وطود پر۔ ۳۰ دن کے روزے کا حکم تھا، پھر اعلان ہوا کہ وَاتَسَمَّنَا بِعَشْرِ (سورہ اعراف: ۱۴۲) ”اور ہم نے دس کا اضافہ کیا“۔

مجھے بتائیے کہ اگر چالیس راتوں میں کوئی مصلحت تھی تو پہلے ہی چالیس کا حکم کیوں نہ دیا، پہلے ہی کہہ دیتا کہ چالیس دن رکھو روزے۔ پہلے ۳۰ دن کا حکم ملا پھر ۱۰ دن کا اضافہ ہو گیا۔

یہ کیوں اضافہ کیا تاکہ قوم کا امتحان ہو۔ قوم کو معلوم تھا کہ ۳۰ دنوں کے لیے جا رہے ہیں، تو ۳۰ تک موسیٰ کے ساتھ رہے مگر ادھر اس دن کا اضافہ ہوا۔ تو اسی دن دس دن کے اندر سامری نے گنو سالہ بنا لیا تھا۔ اسی ۱۰ دن کے اندر بنی اسرائیل گمراہ ہو گئی تھی۔

اگر دس دن کا اضافہ نہ ہوتا تو قوم کا امتحان نہ ہوتا۔ ایک مثال سنئے:

قبلہ اول کیا ہے مسلمانوں کا؟ بیت المقدس، قرآن مجید بھی کہہ رہا ہے، تمام حدیثیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف مت کر کے سجدہ کرتے تھے، اس کے بعد حکم میں تبدیلی آئی، آج بھی مسجد موجود ہے۔ ذوالفقار علی خان صاحب نے جب مدینہ تشریف لے جائیں گے تو اس مسجد کی زیارت کیجیے گا جو مسجد

ذوالقلمین ہے، یعنی ایک ہی مسجد ہے مگر دو قبلہ۔

رسول اللہ نماز پڑھ رہے ہیں، حالت نماز میں حکم نازل ہوا تھا کہ آپ بیت المقدس کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں لہذا کعبہ کی طرف منہ کیجیے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ رسولؐ مڑے اور علیؑ مڑے، اس کے بعد کوئی نہیں مڑا اور اس کے بعد آیت نازل ہوئی ہے۔

فَلَوْلَا لَيْتَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (سورہ بقرہ، آیت ۱۴۴)

”اے رسولؐ! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کب تبدیلی قبلہ کا حکم آتا ہے۔“

اسے رسولؐ اہم منقریب آپ کا رخ اس قبلہ کی طرف پھیر دیجیے ہیں، بدر آپ کی مرضی ہے، بس حبیبؐ اور ظلیلؑ کے فرق کو بھی دکھانا تھا کہ وہ ظلیلؑ ہے کہ جس نے اللہ کی مرضی سے قبلہ بنایا اور یہ حبیبؐ ہیں کہ جس کی مرضی کو قبلہ بنایا جا رہا ہے۔ حالت رکوع میں ہیں رسولؐ، اسی حالت رکوع میں مڑ گئے اے اللہ کے رسولؐ! اتنی جلد کیوں ہے؟ اتنی جلدی کیوں ہے؟

کم از کم یہ نماز تمام ہو جانے دیجیے بیت المقدس کی طرف، دوسری نماز پڑھ لیجیے گا، کم از کم رکعت بھی مکمل ہو جانے دیجیے۔ دوسری رکعت کعبہ کی طرف پڑھ لیجیے گا۔ کم از کم رکوع ہی مکمل ہو جانے دیجیے، رکوع کے بعد رخ پھیر لیجیے گا۔

ادھر حکم آیا اور مڑ گئے۔ تو شاید رسولؐ جواب دیں کہ آیت کریمہ میں کون سا حرف استعمال ہو رہا ہے۔ آیت کریمہ میں حرف ”فی“ استعمال ہو رہا ہے، فوراً مڑ جاؤ تو جہاں عربی زبان میں حرف ”فی“ استعمال ہوتا ہے وہاں کام فوراً ہونا چاہیے، بلاتا خیر ہونا چاہیے، درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی قرآن

میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ادھر جناب موسیٰ نے صا مارا۔
 فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَجْوَةً (سورہ بقرہ، آیت ۶۰)
 فوراً بارہ خوشے پھوٹ پڑے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صا کے مارنے اور خوشے پھونے میں کوئی فاصلہ نہیں
 ہے۔ خداوند عالم اپنی قدرت کے لیے ارشاد کر رہا ہے:

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ
 ”جب وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی شے کو خلق کرے تو کہتا ہے ہو جا،
 فوراً وہ شے ہو جاتی ہے۔“ (سورہ طہ، آیت ۸۲)

ایک اور آیت پیش کر دوں کہ جب جناب آدمؑ کی تخلیق ہوئی:
 فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ
 سَاجِدِينَ (سورہ حجر، آیت ۲۹)
 ”جیسے ہی میں اپنی روح آدمؑ کے پنکے میں پھونکوں فوراً سجدہ
 میں گر جانا، تاخیر نہ کرنا۔“

اس کا مطلب ہے کہ عربی زبان میں جب کوئی کام فوری کروانا ہوتا ہے تو
 حرف ”ف“ استعمال ہوتا ہے، بلا تاخیر کروانا ہوتا ہے۔ جب بات بالفصل منواتا ہوتی
 ہے تو عربی زبان میں حرف ”ف“ استعمال ہوتا ہے۔

میں نے قرآن کی اتنی مثالیں پیش کر دیں کہ جہاں اللہ نے حرف ”ف“
 استعمال کر کے کام فوراً کر دیا ہے، مجھے بتائیے کہ کبھی اللہ کے رسولؐ نے بھی کسی موقع
 و محل پر یہ حرف ”ف“ استعمال کیا ہو تو تاریخ میں ایک موقع مل رہا ہے جب پالانوں کا
 منبر بنا ہوا ہے۔ علیؑ رسولؐ کے ہاتھوں پر بلند ہیں، رسولؐ اعلان کر رہے ہیں:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاكَ فَهَذَا عَلَى مَوْلَاكَ (صلوات)

حکم بدلا کہ نہیں بدلا کہ پہلے بیت المقدس کی طرف، اس کے بعد حکم بدلا کہ اب کعبہ کی طرف سجدہ کیجیے۔ تو اگر کعبہ کی طرف سجدہ کروانا تھا تو پہلے ہی کیوں نہ حکم دے دیا۔

قرآن نے اعلان کیا کہ ہم تمہارا امتحان لے رہے تھے، تاکہ یہ بھی تو پتا چلے کہ رسول کا مطیع و فرمانبردار کون ہے، کیونکہ ایک ہی مزار رسول کے ساتھ ساتھ..... (صلوات)

بداء کے معنی ہیں ظاہر ہونا، یعنی جو چیز مخفی ہو اس کا ظاہر ہونا، جو چیز چھپی ہے اس کا سامنے آ جانا، تو جہاں اللہ فیصلے تبدیل کرتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ پر مصلحتیں ظاہر ہوتی ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بندوں پر اس کی مصلحتیں چھپی ہوئی تھیں۔ اب صحیح بخاری (جلد ۲، ص ۷۸، طبع مصر) کی ایک مثال پیش کیے دیتا ہوں۔ اس پر موجود ہے کہ اللہ کو تین شخصیتوں کے بارے میں بداء ہوا: ایک اعدا تھا، ایک کانا تھا، ایک گنجا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں بھی بداء کا لفظ موجود ہے۔ اگر عقیدہ بداء شرک ہے تو اس میں پھر سب شامل ہیں، اس میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔

اسی طرح شیعوں کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ عبداللہ ابن سبا یہ بانی ہے مذہب شیعہ کا، آج بھی یہی بات کہی جاتی ہے کہ عبداللہ ابن سبا ایک یہودی تھا۔ اس نے مذہب شیعہ کی بنیاد رکھی، اس نے کہا کہ علی خلیفہ بلا فصل ہیں اور اسی سے فرقہ شیعوں کا بن گیا۔ مگر ہمارے سارے علماء نے سب نے تفصیر کی ہے۔ عبداللہ ابن سبا کی، کہ وہ مجھوتا تھا، لعنتی تھا، زعزعی تھا، طہر تھا۔

مجھے یہ بتائیے کہ اگر وہ ہمارے مذہب کا بانی ہوتا تو کیا اپنے مذہب کے بانی کو ہم کافر کہیں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا، لیکن آج موجودہ بہت بڑے عالم سال دو سال پہلے ان کا انتقال ہوا ہے، انہوں نے عبداللہ ابن سہا پر پوری کتاب لکھی تھی، اس نے تحقیق یہ کی کہ صرف اور صرف پہلی مرتبہ طبری میں اس کا نام آیا، عبداللہ ابن سہا کا۔ اور راوی ہے سیف نام کا ایک شخص، جس نے روایت کی۔ عبداللہ ابن سہا کے سلسلہ میں، اور اس سے پہلے نہ کبھی عبداللہ ابن سہا کا نام ملا ہے، نہ اس کے کسی ماننے والے کا نام، پہلی مرتبہ طبری نے گھڑا، کیوں سیف نام کے راوی کے بارے میں تمام محدثین کہتے ہیں کہ وہ بڑا جھوٹا تھا۔ سیف ابن عمر اس کا نام تھا، اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔

تو اسی معتبر کتاب میں ایک حدیث اور بھی ہے کہ دعوت ذوالحشرہ میں رسولؐ نے علیؑ کا ہاتھ بلند کر کے کہا تھا:

هَذَا آخِي ، وَوَصِي وَخَلِيفَتِي مِنْ بَعْدِي
 ”یہ علیؑ میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے اور میرے بعد میرا خلیفہ و جانشین ہے۔“

یہ روایت مگر پہلے ایڈیشن میں تھی مگر ذوالحشرہ کا تذکرہ ہے، مگر اس طرح سے کہ رسولؐ نے علیؑ کا ہاتھ بلند کر کے کہا:

هَذَا آخِي وَكَذَا وَكَذَا وَكَذَا

جسے اردو میں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ، یعنی آخری کے بعد وغیرہ وغیرہ۔ وہ جملے کاٹ دیئے جو پہلے لکھے تھے۔

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ سجدہ گاہ پر کیوں سجدہ کرتے ہیں یہ شرک ہے،

غیر خدا ہے، مگر حج بخادی کی حدیث ہے اور ام المومنین حضرت عائشہؓ راویہ ہیں کہ رسولؐ اپنی جیب میں غمرہ رکھتے تھے۔ غمرہ جو چٹائی اور مٹی سے بنی ہوئی ٹکیر، اور جب بھی سجدہ کرتے تھے تو وہ جیب سے ٹکیر نکالتے تھے اور اس پر سجدہ کرتے تھے۔ بتاؤ شرک ہے کہ نہیں ہے؟

جلال الدین سیوطی نے تحریر کیا اسی حدیث کو لکھ کر پھر تحریر کرتے ہیں کہ یہی وہ غمرہ ہے جس کو شیعوہ استعمال کیا کرتے ہیں مگر بچے کی کوشش کی گئی کہ غمرہ سے مراد چٹائی ہے تاکہ سجدہ گاہ سے بچا جاسکے۔

لیکن عربی زبان کی تحقیق تو کریں کہ غمرہ بنا کہاں سے ہے؟ غمرہ بنا ہے غیر سے، تو کیا چٹائی کا ضمیر بنا ہے؟ ضمیر کے معنی ہیں کسی چیز کو گورہنا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی چیز کی ٹکیر بنائی جاتی ہے تو پہلے اس شے کا ضمیر بنایا جاتا ہے۔

پتہ چلا کہ سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا سنت رسالت ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ پھر کر بلا کی خاک پر سجدہ کیوں کرتے ہو؟ یعنی جب ہر زمین پاک ہے، تو پھر کر بلا کی خاک پر سجدہ کیوں؟ اس لیے کہ اگر اس خاک پر سجدہ کیا تو پھر سجدہ کو معراج مل جائے گی، اس میں خون کے وہ ذرے شامل ہیں جو کر بلا کے میدان میں، ان مقدس جسموں سے گرے تھے۔ اگر اس کا کوڑواں حصہ بھی سجدہ گاہ میں آ گیا تو ہمارے سجدوں کو معراج مل جائے گی۔

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں تو وہ خون بھی ہے تھے جو دشمنوں کے تھے۔

آپؐ قرآن ہی سے جواب لیں۔

تو میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہی صحیح ہے تو جہاں قرآن مجید میں رسولؐ کا نام ہے، امرا ایم کا نام ہے، موسیٰ کا نام ہے، عیسیٰ کا نام ہے وہاں اسی قرآن میں فرعون

بھی ہے، شداو بھی ہے، شیطان بھی ہے، جب قرآن سر پر رکھتے ہیں تو کیا ان آجوں کو الگ بتا دیتے ہیں جب قرآن کو چھوٹتے ہیں تو کیا ان آجوں کو جہا کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ قرآن صامت کی طہارت ان ناموں پر غالب آگئی ہے۔ تو بس اسی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن ناطق کا جو خون بہا ہے کر بلا میں اس کی طہارت ان مجاستوں پر غالب آگئی ہے۔

ذکر مصائب

آقا کی خدمت میں تعویذ پیش کرنا ہے جس نے ۷۲ لاشے اٹھائے۔ کبھی عون و حمزہ کالاشہ، کبھی قاسم کالاشہ، اور کبھی علی اکبر کالاشہ۔

عزادارو!

آخر میں کائنات وہ مضر دیکھ رہی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ حسینؑ اپنے ہاتھوں پر۔ اے قوم جفاکار! اگر میں تمہاری ٹٹا ہوں میں گناہ گار ہوں تو اس نئے سے بچنے کو کیا خطا کی ہے، اسے تو پانی پلا دو۔

جواب نہیں آیا۔ امام حسینؑ نے کر بلا کی زمین کے اوپر، علی اصغرؑ کو لٹا دیا اور دُور بٹے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے بہانے میں بیٹا چاہتا ہوں، تم اپنے ہاتھوں سے اس بچے کو پانی پلا دو۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے، جب حسینؑ نے اپنے نئے سے بچے کو کر بلا کی زمین پر لٹایا تو کر بلا کی زمین اتنا جل رہی تھی کہ بچہ مچھلی کی طرح تر ہوا، لیکن پھر کوئی جواب نہیں آیا۔

حسینؑ نے پھر بچے کو آغوش میں لیا، اے علی اصغرؑ! ایسا لگتا ہے کہ انہیں

یقین نہیں آ رہا ہے کہ تو جیسا سا ہے، تو اپنی جیسا خود ظاہر کر دے۔

مید کہتا ہے کہ میں وہ مہر دیکھ رہا تھا کہ بچے نے اپنی سوکھی ہوئی زبان ہونٹوں پر پھیرنا شروع کی۔ فوج میں پناہ دہ کے آثار نمودار ہونے لگے۔ ابن سعد نے حبلہ سے کہا کہ حیر چلاؤ، ایک حیر ایسا تھا کہ جس کی تین نوکیں تھیں۔

تاریخ کہتی ہے کہ بچہ کا وزن کم تھا، حیر کا وزن زیادہ تھا، حیر چلا، علی اصغر کے گلے پر لگا، بچہ شہید ہو گیا، ماں کی آغوش میں علی اصغر گودیا۔

اب حسینؑ کر بلا میں تھا ہیں۔ چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں، کوئی حیر مار رہا ہے، کوئی نکوار مار رہا ہے، اور آخر میں حسینؑ عیموں میں رخصت کے لیے آئے ہیں، سب سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ آخر میں جنابِ زینبؑ سے رخصت ہوئے۔

آئے میدان میں ایسی جنگ کی، فوج میں کھرام چا دیا، گویا موت کی جھکی چل رہی تھی، بس کانوں میں آواز آئی: بس حسینؑ بس! اب واپسی کا وقت قریب ہے، نکوار پیام میں رکھ لی، بھاگی ہوئی فوج نکلی۔

کوئی حیر مار رہا ہے، کوئی نکوار مار رہا ہے، جس کے پاس کچھ نہیں تھا، اس نے جھولیوں میں پتھر لیے ہوئے تھے، وہ پتھر مار رہے تھے۔

بس عزا دارو! حسینؑ گھوڑے سے زمین پہ آئے بلکہ امام زمانہؑ نے کہا

ہے کہ مہر اسلام ہو حسینؑ پر کہ جو نہ زمین پر تھا نہ زمین پر۔

جب روایت دیکھی تو پتا چلا کہ جسم میں اتنے حیر لگے ہوئے تھے کہ جسم تیروں پر پھٹ ہو گیا تھا۔

حسینؑ سجدہ کرنا چاہتے ہیں مگر بڑی مشکل سے سجدہ کیا۔ وَاحْسِيْنَاہ!



مجلس دہم

موضوع: شیعیت پر اعتراض کیوں؟

*..... نبوت دنیا میں آ کر نہیں ملی تھی رسالت دنیا میں آ کر نہیں ملی تھی بلکہ نبی بن کر پیدا ہوئے تھے

*..... مولا علیؑ ماں کی آغوش میں نہیں گئے باپ کی آغوش میں نہیں گئے

*..... اللہ نے علیؑ کو اپنی طرف منسوب کر لیا

*..... اگر اللہ کا کوئی چنا ہے تو سب سے پہلا عبادت گزار میں ہوں

*..... ہم اپنے خداؤں سے دعا مانگتے مانگتے تھک چکے ہیں مگر بارش نہیں ہوئی

*..... روشن چراغ ہیں آپؐ — رسولؐ کو روشن چراغ کیوں کہا گیا؟

ذکر مصائب

*..... شہادت جناب امام حسینؑ

*..... حسینؑ نے جو دین کا چراغ کر بلا میں جلایا اس میں کس کس کا خون

شامل ہے؟

مجلس دہم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ قَابِلًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا (سورة الاحزاب
۴۵-۴۶)

پہلے عشرے میں یہ آیت کریمہ عنوان بیان رہی کہ جس میں میں نے قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہمارے رسولؐ وہ ہیں، ان کی حیات باقی ہے، ان کی زندگی باقی ہے، اور یہ رسولؐ وہ ہیں کہ جب کائنات میں کچھ نہ تھا، تب بھی تھے، آج بھی ہیں۔ جب کائنات میں کچھ نہ رہے گا تب بھی موجود رہیں گے..... (صلوٰۃ)

اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کے لحاظ سے عقیدہ یہ ہے، جب سے ہیں تب سے رسولؐ ہیں اور چالیس برس کے سن میں اعلان رسالت ہوا۔ قرآن مجید سے ثابت ہے یہ بات، میں نے بہت سی آیات کے ذریعہ سے اس بات کو ثابت کیا، تو یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کیونکہ لفظ اَمْسَلٰ اس آیت کریمہ میں استعمال ہو رہا ہے۔ اس کے معنی ہیں بھیجا، تو بھیجی وہ چیز جاتی ہے

جو چیز پہلے سے موجود ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت رسول کسی بارگاہ میں پہلے سے موجود تھے، جہاں سے بھیجے جا رہے تھے۔

نبوت دنیا میں آ کر نہیں ملی تھی، رسالت دنیا میں آ کر نہیں ملی تھی بلکہ نئی نبی بن کر پیدا ہوئے تھے، پہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ میں ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ اس طرح سے ہے کہ جس وقت مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ کی کعبہ میں ولادت ہوئی ہے، اور تین دن تک کعبہ کے اندر رہے ہیں، اس کے بعد حضور سرور کائناتؐ ان کے استقبال کے لیے تشریف لائے ہیں اور آغوش رسالت میں آئے ہیں اور فرمایا تھا: اے اللہ کے رسولؐ اجازت ہے کچھ پڑھوں؟ میں مولائے علیؑ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اے محمد مصطفیٰؐ! اجازت ہے کچھ پڑھوں؟ اے ابن عم! اجازت ہے کچھ پڑھوں؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسولؐ! ابھی تو خود رسولؐ نے بھی نہیں کہا کہ میں رسولؐ ہوں۔ تو پہلی بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ اعلان رسالت سے پہلے ہی رسولؐ ہیں۔

مولائے علیؑ کے یہ جملے ثابت کر رہے ہیں کہ اعلان رسالت نہیں ہوا مگر رسولؐ ہیں۔ اسی لیے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے اللہ کے رسولؐ کچھ پڑھوں؟

اور دوسرا پہلو اس میں یہ ہے کہ مولائے علیؑ کو معلوم ہے کہ ایک زمانہ آیا آئے گا کہ فہرست بنے گی کہ پہلے کون اسلام لایا ہے، لہذا پیدا ہوتے ہی اپنے اسلام کا اعلان کر رہے ہیں کہ دیکھو جب فہرست بنانا ہو تو اس میں مجھے شامل نہ کرنا، کیونکہ اس فہرست میں وہی شامل ہو سکتے ہیں جو پہلے کافر رہے ہوں، پھر مسلمان رہے ہوں۔

اب آپ یہ سوچتے ہوں گے کہ رسولؐ کی آغوش میں علیؑ ہیں اور اب ماں کو واپس کر دیا ہوگا، باپ کی خدمت میں چلے گئے ہوں گے۔

تاریخ کہتی ہے کہ مولا علیؑ اب ماں کی آغوش میں نہیں گئے، باپ کی آغوش میں نہیں گئے بلکہ رسولؐ اپنے گھر لے گئے، جناب خدیجہؓ اور رسولؐ اللہؐ ہیں اور مولا علیؑ رسولؐ کے گھر میں ہیں اور ظاہر ہے کہ جہاں بچہ ہوتا ہے لوگ مبارکباد دینے دیں جاتے ہیں۔

یہی پر ایک عمومی سوال ہوتا ہے جو اس موقع پر کیا جاتا ہے کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ سوال ضرور ہوتا ہے۔ تو پہلا سوال لوگ یہ کرتے ہیں کہ بچہ کی صورت کس پر لگی ہے، بچہ کس سے مل رہا ہے، تو گھر والوں سے شہادت ہوتی ہے۔ تو یہی سوال رسولؐ کے لیے مشکل بن گیا کیونکہ اب لوگ رسولؐ سے سوال کر رہے تھے کہ بچہ کس پر لگا ہوا ہے لیکن علیؑ اس گھر میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس گھر والے کی نہ تو کوئی صورت ہے۔

اللہ نے اعلان فرمایا: اے رسولؐ! میں آپ کی شکل کو حل کیے دیتا ہوں۔ اے اگر والے ہی سے تو صورت ملتی ہے۔ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ چہرہ وجہ اللہ ہے، آنکھیں عین اللہ ہیں، ہاتھ ید اللہ ہیں، جب بجنب اللہ ہے اور نفس نفس اللہ ہے..... (صلوٰۃ)

اچھا یہ مشکل تو حل ہوگئی۔ اب دوسری مشکل پیدا ہوگئی۔ وہ مشکل یہ ہے کہ رسولؐ نے بڑی تمناؤں کے بعد، بڑی دعاؤں کے بعد علیؑ کو مانگا تھا اور رسولؐ کی گود میں وہی ہیں مگر مشکل یہ ہوئی کہ اللہ نے علیؑ کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ رسولؐ کہہ رہے ہیں کہ مانگا میں نے مگر اللہ نے اپنی طرف منسوب کر لیا، تو

انہوں نے کہا کہ جو چیزیں باقی رہ گئی ہیں ان کو میں اپنی طرف منسوب کر لوں، لہذا
سندی: لَحْنُكَ لِحَوِّی، كَمَلْكَ دَعَوِی۔

اے علی! حیرا گوشت میرا گوشت، اور حیرا خون میرا خون۔ کچھ اللہ کی طرف
منسوب ہو گیا، کچھ رسول کی طرف منسوب ہو گیا۔ اب میرا اپنا تو کچھ رہا ہی نہیں، مگر
سوچا کہ اچھا ہوا، آدھا اللہ کی طرف منسوب، آدھا رسول کی طرف منسوب، اب جو
کوئی بھی مجھ سے محبت کرے گا تو وہ آدمی اللہ سے ہوگی، آدمی رسول سے ہوگی اور
جو مجھ سے دشمنی رکھے گا، آدمی اللہ سے ہوگی، آدمی رسول سے ہوگی..... (صلوٰۃ)

تو ہمارے رسولؐ وہ ہیں کہ جو کائنات سے پہلے بھی تھے، آج بھی ہیں، اور
جب کائنات نہیں رہے گی، جب بھی موجود رہیں گے۔ جب کائنات میں کچھ نہ تھا، ہر
طرف عدم کا سناٹا تھا، نہ آفتاب و ماہتاب، نہ یہ ستارے نہ یہ چاند، نہ زمین، نہ
آسمان، نہ عرش و فرش، نہ لوح، نہ قلم، نہ ہار، نہ بہار، نہ جنت، نہ جہنم، کچھ نہیں تھا،
ایک ظلمت تھی ایک اندھیرا تھا۔ تو قدرت نے اس اندھیرے میں ایک شمع روشن کی،
اس ایک شمع سے حیراں (۱۳) اور شمعیں روشن کیں جب یہ حیراں شمعیں روشن ہوئیں۔

تو اب کارخانہ قدرت قائم ہوا، اب مخلوقات کا سلسلہ چلا، تو اس کا مطلب
ہے کہ کائنات میں جو سب سے اوّل و افضل مخلوق ہے وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے۔ سب سے
پہلے ان کی خلقت ہوئی۔ قرآن میں بھی اس کی دلیل موجود ہے، اعلان ہو رہا ہے کہ
رسول کہہ دیجیے: اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ وَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ. (سورۃ
ذخرف، آیت ۸۱) ”کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہے تو سب سے پہلا عبادت گزار
میں ہوں۔“

قرآن کہہ رہا ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے، ہر شے اللہ کی

عبادت کر رہی ہے، یہ سورج بھی اللہ کی عبادت کر رہا ہے، چاند بھی اللہ کی عبادت کر رہا ہے، ستارے بھی اللہ کی عبادت کر رہے ہیں، ہوائیں اللہ کی عبادت کر رہی ہیں، چٹا ہوا بادل بھی اللہ کی عبادت کر رہا ہے۔ سمندر بھی اللہ کی عبادت کر رہا ہے، سمندر کے اندر جو مخلوق ہے وہ بھی اللہ کی عبادت کر رہی ہے۔

ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے اور اے رسول! کہہ دیجیے کہ ”میں سب سے پہلا عبادت گزار ہوں۔“

تو کائنات کی ہر چیز اللہ کی عبادت کر رہی ہے، اور رسول کہہ دیجیے کہ میں پہلا عبادت گزار ہوں۔

تو سب سے پہلا عبادت گزار وہی ہو سکتا ہے جو زمین سے بھی پہلے ہو، جو کائنات کی ہر چیز سے پہلے ہو۔ جب کائنات سے پہلے موجود ہیں، اور آج بھی موجود اور قیامت تک موجود۔ قیامت میں بھی موجود، ورنہ اگر موجود نہ رہیں گے تو ہماری شفاعت کون کرے گا؟

قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ گواہ ہیں، ہمارے ہر عمل کے گواہ ہیں اور گواہ وہی ہو سکتا ہے جو موجود ہو۔

اس کا مطلب ہے کہ موجود ہیں، اور کائنات کے بعد بھی موجود رہیں گے۔ اس کی بھی قرآن میں دلیل موجود ہے۔ اگر کوئی اپنے گھر کو خالی کر دے، سب کو نکال دے۔ کھڑکیاں، دروازے بند کر دے اور اکیلے وہ چیتے کہ بتاؤ یہ گھر کس کا ہے؟ ہر ایک کہے گا کہ دیوانہ ہو چکا ہے، پاگل ہو گیا ہے۔ جب کوئی جواب دینے والا نہیں ہے تو سوال کس سے کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی سوال کیا جائے تو جواب دینے والا موجود ہونا چاہیے۔

اگر ہم ایسا عمل کریں، دیوانے کہے جائیں گے، اللہ تو خالق مصل ہے۔
قرآن کہہ رہا ہے: کائنات میں کچھ نہیں ہوگا۔ ہر چیز مٹ چکی ہوگی۔ اس وقت
نمائے قدرت آئے گی:

لَيْسَ الْمُلْكُ لِلَّذِينَ

(سورہ قاف، آیت ۱۶)

بتاؤ کہ یہ ملک کس کا ہے، یہ اقتدار کس کا ہے؟ پالنے والے جب کوئی جواب
دینے والا نہیں ہے، تو تو سوال کس سے کر رہا ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ سوال خود بتا رہا ہے کہ اس کے بعد بھی کچھ جواب دینے
والے موجود ہوں گے، وہ جواب دیں گے:

وَاللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورہ قاف، آیت ۱۶)

”آج بھی ملک اس اللہ کا ہے جو قہار ہے“..... (صلوٰۃ)

تو جب ذمہ ہیں تو ان کو دعاؤں میں وسیلہ بنایا جاسکتا ہے تو یہ ہاڈی بات
سننے بھی ہیں، جب ذمہ ہیں تو ہماری مدد کے لیے آ بھی سکتے ہیں۔ قرآن میں بھی
موجود، احادیث میں بھی موجود ہے۔ تاریخ میں موجود ہے کہ حضور دنیا سے تشریف
لے چکے ہیں اور کچھ لوگ آتے ہیں۔

ام المؤمنین کی خدمت میں رسول تشریف فرما نہیں ہیں، قحط پڑا ہوا ہے، ہم
کیا کریں؟

تو تمام کتابوں میں موجود ہے کہ ام المؤمنین نے فرمایا: چلو قبر رسول پہ چلتے
ہیں، وہاں پر ایک عمارت موجود تھی۔

اب کیا کیا جائے؟ سورج آگ برسا رہا ہے، بارش نہیں ہو رہی ہے۔ ام
المؤمنین نے فرمایا کہ چمت میں ایک سوراخ بناؤ تاکہ سورج کی روشنی براہ راست

قبر رسولؐ پر پڑنے لگے۔ جیسے ہی قبر پر روشنی پڑنے لگی، نورانی آبر جھوم کر آنے لگے اور سب سے پہلے جس نے قوسل کیا رسول اللہؐ سے، اس کا نام ہے ابوطالبؓ۔

ہر تاریخ اور سیرت کی کتاب میں یہ واقعہ موجود ہے کہ مکہ میں خط پڑ جاتا ہے، کفار و مشرکین اپنی اپنی عبادت گاہوں میں دعائیں مانگ رہے ہیں، دو برس گزر گئے بارش نہیں ہوئی۔ دعائیں مانگتے مانگتے تھک گئے تو کہا چلا در ابوطالبؓ پر۔

دروازہ کھٹکھٹایا، باہر نکلے، کہا: کیوں تم سب آئے؟

انہوں نے کہا: اے ابوطالبؓ! ہم اپنے خداؤں سے دعا مانگتے مانگتے تھک چکے ہیں، مگر بارش نہیں ہوئی۔ اب اپنے خدا سے دعا مانگتے۔

سارے کافر ثابت کر رہے ہیں کہ ہمارا خدا کوئی اور ہے اور ابوطالبؓ کا خدا کوئی اور ہے۔

جناب ابوطالبؓ نے فرمایا: صبح کو سب کے سب کعبہ کے گرد جمع ہو جاؤ، میں دعا مانگتے بیٹھ رہا ہوں۔

صبح نمودار ہوتی ہے، رسول کا سن محل بچیں برس کا ہے، اپنے بچے کو لے کر چلے، کعبہ کے قریب پہنچے۔ کہا کہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑے ہو جائیے۔ کسی فقیر سے پوچھئے کہ اگر دو ماہ طواف کعبہ کی طرف پشت ہو جائے تو طواف باطل۔ اور ابوطالبؓ نے رسولؐ کی طرف پیٹھ لگانے کا کہا تو ابوطالبؓ کو معلوم ہے کہ یہ پشت وہ ہے جو کعبہ سے افضل ہے۔ اور اس کے چالیس اشعار کا قصیدہ پڑھا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

”اے حسین چہرے والے اتیرا چہرہ تو ایسا ہے کہ ابھی ابر کو واسطہ دے دوں تو برسنے لگے۔“

یہ ہے ایمان ابوطالبؑ، جس نے سب سے پہلے تو تسل اختیار کیا۔ عالم اسلام کے بہت بڑے عالم امام غزالی انہوں نے یہ تحریر کیا ہے:

”رسول اللہ جس کی سب سے پہلے شفاعت کریں گے اس کا نام ہے ابوطالب۔“

کلی بات تو یہ ہے کہ شفاعت ثابت ہو رہی ہے کہ رسول شفاعت کریں گے اور دوسری چیز ثابت ہو رہی ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے کہ شفاعت صرف مسلمان کی ہوگی، مومن کی ہوگی، کافر کی نہیں ہوگی۔

امام غزالی لکھ رہے ہیں کہ ”کلی شفاعت ابوطالب کی ہوگی۔“ تو خود یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ ابوطالب مسلمان و مومن ہیں..... (صلوٰۃ)

ہمارے ہاں دوسری روایت ہے کہ مولائی خطبہ دے رہے ہیں، جب خطبہ ختم ہوا تو ایک شخص کہتا ہے:

یا علیؑ! بڑے فصیح ہیں آپ، بڑے بلخ ہیں آپ، بڑے بہادر ہیں، مگر کاش آپ کے باپ بھی ایسے ہوتے؟

علیؑ نے جلال میں آ کر اس کی طرف دیکھا اور کہا: تو کیا جانے میرے باپ کا مرجہ، میرا باپ وہ ہے کہ جس نے اسلام کو دیا تو ہے مگر اسلام سے لیا کچھ نہیں۔ اور جب میدان حشر میں میرا باپ ابوطالبؑ پہنچے گا تو عرش کو پکڑ کر وہ کہے گا: پالنے والے! میں نے کچھ لیا نہیں بلکہ کچھ دیا ہے۔ لہذا اس ایک سوال ہے تجھ سے کہ حشر کے سارے گناہگاروں کو بخش دے، تو خدا سب گناہگاروں کو بخش دے گا۔

تو ابوطالبؑ شفاعت کے محتاج نہیں بلکہ دوسروں کی شفاعت کریں گے۔

(صلوٰۃ)

موضوع کی آیت میں جو لفظ سراجِ منیر استعمال ہوا ہے روشن چراغ ہیں آپ، رسول کو روشن چراغ کیوں کہا گیا؟

اس لیے کہا گیا کہ جب چراغ روشن ہوتا ہے تو اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ جب چراغ روشن ہوتا ہے تو چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں، لہذا جب یہ چراغ رسالت روشن ہوا تو چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہوئیں۔

دوسرے چراغ وہ ہوتے ہیں کہ جن پر آنندھیاں غالب آ جاتی ہیں اور یہ وہ چراغ ہے جو آنندھیاں پر غالب آ جاتا ہے۔ اور ایک اور چراغ بھی ہیں۔

إِنَّ الْخُسَيْنَ مَصْبَاحُ الْهُدَى وَسَفِينَةُ النِّجَاةِ
 ”میرا حسینؑ وہ ہے، جو ہدایت کا چراغ ہے، اور جب یہ چراغ روشن ہوگا، تو جو بے یقینیت کے ذریعہ اندھیرے پھیلانے گئے ہیں، وہ گل ہو جائیں گے۔“

ذکر مصائب

حسینؑ نے جو دین کا چراغ کر بلا میں جلایا اس میں کس کس کا خون شامل ہے؟ اس میں علی اکبرؑ کے سینے کا خون بھی شامل ہے۔ اس میں قاسمؑ کے پامال شدہ جسم سے جو خون نکلا وہ بھی شامل ہے۔ اس چراغ میں عباسؑ کے بازوؤں کا خون بھی شامل ہے۔ اس چراغ میں علی اصغرؑ کا خون بھی شامل ہے اور امام حسینؑ کے ایک ہزار سے زیادہ رگوں کا خون بھی شامل ہے۔

عزادارو!

حسینؑ نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اسلام کی خاطر، حسینؑ کے پاس کچھ نہ

بچا۔ اور آخر میں جب حسینؑ تھا ہیں میدان میں، چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں، کوئی حیر مار رہا ہے، کوئی تلوار مار رہا ہے، کوئی نیزے مار رہا ہے، اور جس کے پاس کچھ نہ تھا، اس نے جھولیوں میں پتھر بھر رکھے تھے اور وہیں پتھر آقا پر مار رہا تھا۔ بس امام حسینؑ رخصتہ آخر کے لیے تشریف لاتے ہیں، حمام تھیلوں سے رخصتہ ہوتے ہیں، سہاڑے رخصتہ ہوتے ہیں۔ اب گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہیں، چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ یہ مظر جنابِ نعلب اور ام کلثومؑ دیکھ رہی تھیں۔ کہا: بھیا! گھبرائیے نہیں، ہم آپ کو سوار کرائیں گے۔

جنابِ نعلبؑ نے رکاب میں تھا میں، امام سوار ہوئے۔ نعلبؑ نے کہا: خدا حافظ! حسینؑ نے آگے بڑھنا چاہا مگر گھوڑا آگے نہ بڑھا۔ گھوڑے نے اپنے چہرے سے اشارہ کیا زمین کی طرف۔ اب جھپٹے دیکھا تو سیکھ لپٹی ہوئی ہے، اے فرس وقادار! میرے بابا کو میدان میں نہ لے جا۔ اے بابا! مجھے پتہ ہے کہ آپؑ نے جانا ہے، میری ایک تمنا پوری کر دو۔ چاہتی ہوں کہ آخری مرتبہ آپؑ کے سینے پر سوجاؤں۔

حسینؑ خاک پر لیٹ گئے، سیکنہؑ نے سنے پر سر رکھا۔ اچانک آنکھ کھلی اور کہا: بابا! خدا حافظ۔ بابا ابھی آنکھ لگی تھی کہ دادی قاطرہ آگئیں تھیں اور کہا: اے سیکنہؑ! حسینؑ کو نہ روکو، ورنہ اسلام نہیں بچا پائے گا۔

میدان میں پہنچے۔ چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ احنہؑ زخمی ہو گئے کہ اب زمین پر ڈنگمانے لگے۔ اسی عالم میں زمین پر آئے۔

امام زمانہؑ نے فریاد کی کہ میرا دادا میرا حسینؑ منہ کے بل زمین پر آیا تھا۔ شمرؑ تنجر لے کر آگے بڑھا، شمر کا تنجر چلا ہے، ماں فریاد کر رہی ہے۔ شام غریباں نمودار

ہو جاتی ہے۔

حمید ایمن مسلم لکھتا ہے: شام غربیاں نمودار ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک بی بی بچوں کو دھوڑ رہی تھی۔ اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ ایک بچی مہرے سامنے آرہی ہے کہ جس کے کمرے کے پاس میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے اس بچی پر ترس آیا۔ میں آگے بڑھا تا کہ آگ بجھاؤں تو وہ بچی ڈر کر پیچھے ہٹی۔ میں نے آگ بجھائی۔

بچی نے کہا کہ مجھے نجف کا راستہ بتا دو۔

میں نے کہا: وہاں تمہارا کون رہتا ہے؟

کہا: میرا دادا علی وہاں رہتا ہے۔ میں جا کر شکایت کروں گی۔

تھوڑی دُور وہ بچی گئی کہ ایک سوار نمودار ہوا، گھوڑے سے اتر کر بچی کو اپنی گود میں لے لیا۔

اے میری سیکڑا نجف جانے کی ضرورت نہیں، تمہارا دادا خود آ گیا ہے۔

